''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی بلاشبہ اس نے میرا انکار کیا۔'' (بخاری)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

سہ روزہ دعوت
نئی دہلی
www.dawatonline.com

سنہرے نقوش
(عبدالمالک مجاہد)

درحقیقت ایک پکچر گیلری ہے۔ اس میں اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگوں کی زندگی کے سچے واقعات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ جس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ نیکی کا لازمی نتیجہ کامیابی اور فتح مندی ہے جب کہ گناہ چاہے کتنا ہی چھپ کر کیا جائے وہ ہمارا پیچھا کرتا ہے، اپنا تاوان لیتا ہے اور ندامت کے ساتھ سچی توبہ نہ کی جائے تو ہمیشہ خون کے آنسو رلاتا ہے۔ صفحات 384 ☆ قیمت -/150

Maktaba Al-Faheem
مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) Mob.9889123129/9236761926

Posting: 11 May 2009 Monday ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال ● قیمت =/Rs.5 ● ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ ● چہارشنبہ ● 13 May 2009 ● ۱۳ مئی ۲۰۰۹ء ● شمارہ: ۴۱ ● جلد: ۵۷ ●

اعتماد کا بحران خطرناک حدوں کو چھونے لگا ہے

امریکی صدر بارک اوباما نے اپنی حلف برداری کے موقع پر جو تقریر کی تھی اس میں اور باتوں کے ساتھ انہوں نے یہ بتایا تھا کہ امریکہ کی عظمت کا راز کس میں پوشیدہ ہے اور اس کا اعادہ کر کے گویا یہ پیغام دیا تھا کہ اس پر کاربند رہنے کی اس لئے ضرورت ہے کیونکہ اسی طرح اس کی عظمت کو بحال رکھا جا سکتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے یہ بتایا تھا کہ امریکہ قانون کی حکمرانی پر یقین رکھتا ہے اور حقوق انسانی کا احترام کرتا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی نظر میں قانون کو ترجیح حاصل ہے وہ نہ صرف یہ کہ قانون کا احترام کرتا ہے بلکہ اس کی بالادستی بھی چاہتا ہے، اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ کسی کو بھی قانون سے بالاتر نہیں تصور کرتا بلکہ ہر کسی کو اس کے ماتحت خیال کرتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر کسی کو اس کی پابندی کرنی چاہئے، خواہ امریکہ ہی کیوں نہ ہو۔ امریکہ کی نگاہ میں جس طرح افریقہ کا انتہائی غریب ترین ملک قانون سے بندھا ہوا ہے ٹھیک اسی طرح امریکہ کے لئے بھی اس کی پابندی لازمی اور ضروری ہے، دونوں کسی بھی بنیاد پر اور کسی بھی حالت میں قانون سے بے پروا نہیں ہو سکتے۔ غلطی کرنے پر قانون دونوں کے ہاتھ پکڑ سکتا ہے اور دونوں کو قرار واقعی سزا دے سکتا ہے، کسی بھی قیمت پر دونوں اس سے بچ کر نہیں نکل سکتے، ہر حال میں اس کا انہیں سامنا کرنا ہی پڑے گا۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو قانون گنی بساؤ کے لئے قابل احترام و پیروی ہے وہ امریکہ کے لئے بھی اسی طرح قابل احترام و پیروی ہے، اگر گنی بساؤ کو رعایت نہیں دی جا سکتی تو امریکہ بھی اس کا مستحق نہیں بن سکتا، اس معاملہ میں دونوں یکساں ہیں، اسی طرح حقوق انسانی کے احترام و تحفظ کا معاملہ ہے، اگر امریکہ کے باشندوں کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے اور ان کے حقوق ان کو ملنے چاہئیں، ٹھیک اسی طرح زمبابوے کے باشندے بھی اس کا حق رکھتے ہیں کہ ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ جس طرح امریکی باشندوں کی جانیں قیمتی ہیں ٹھیک اسی طرح لیبیا، الجزائر اور سری لنکا کے باشندوں کی جانیں بھی قیمتی ہیں کیونکہ وہ بھی امریکیوں جیسے ہی انسان ہیں، اگر یہ درست ہے کہ امریکی باشندوں کے حقوق تلف ہونے پر آواز اٹھائی جانی چاہئے تو اس درجے میں یہ بھی درست ہے کہ افغانستان عراق، کیوبا میکسیکو اور روانڈا کے باشندوں کے ساتھ ہونے والی حق تلفی کا معاملہ اتنی ہی شدت سے اٹھایا جائے اور جس طرح امریکیوں کی روداد ستم کا سنا جانا ضروری ہے اسی طرح افریقی اور ایشیائی اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کے باشندوں پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم پر توجہ دی جائے اور ان کی دادرسی ہو، کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے بلکہ بے لاگ انصاف ہو۔

امریکی صدر نے اپنی اس افتتاحی تقریر میں یہ بھی بتایا تھا کہ یہ امریکہ کا آئیڈیل ہے۔ جس کو اسے حرز جاں رکھنا چاہئے۔ یہ دولت انہیں ان کے آباواجداد سے ملی ہے۔ انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو خبردار کیا کہ وہ اس پر کسی بھی حال میں آنچ نہ آنے دیں اور اس کا عہد کیا کہ اس پر آنچ نہیں آنے دی جائے گی۔ ان آئیڈیلز پر مصلحت کے پردے نہیں ڈالے جائیں گے، لیکن براہو مصلحت کا کہ یہ چمک الفاظ تک ہی محدود رہ جاتی ہے، جب بات عمل تک پہنچتی ہے اور قول کو فعل میں ڈھالنے کی نوبت آتی ہے تو آئیڈیلز ذہنوں سے محو ہو جاتے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ قرین قیاس ہوگا کہ جان بوجھ کر بھلا دیے جاتے ہیں، ماضی سے تو اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جب اس امریکہ نے اپنے آئیڈیلز کو اپنے ہی پیروں تلے روندا ہے۔ لیکن بات چوں کہ صدر اوباما کی ہو رہی ہے۔ اس لئے اگر انہی کی مثال پیش کی جائے تو بات زیادہ معقول ہوگی۔ اس کی تازہ ترین مثال افغانستان میں امریکی اور ناٹو افواج کی وہ کارروائی ہے جس میں ۱۰۰ سے زیادہ بچے بوڑھے اور خواتین جاں بحق ہو گئیں، ان بچوں بوڑھوں اور خواتین کا قصور بس اتنا ہے کہ وہ افغانی ہیں۔ حالانکہ یہ سب غیر حربی تھے اور بے قصور تھے، بات زیادہ پرانی نہیں بلکہ اس مہینہ کی چار تاریخ کی ہے، افغانستان کے صوبہ فرح کے دو دیہاتوں پر امریکی و ناٹو افواج نے اندھا دھند بمباری کی، کہا جا رہا ہے کہ افغانستان میں امریکی یلغار کے دوران جس کی ابتداء اکتوبر ۲۰۰۱ء میں ہوئی تھی بدترین کارروائی تھی امریکہ کی نیوہیمپشائر یونیورسٹی کے ایک پروفیسر مارک ہیرالڈ کے جمع کردہ اعداد و شمار کے مطابق یکم جنوری اور آٹھ اپریل کے دوران اس قسم کی کارروائیوں کے دوران کام آنے والے بے گناہ افغانیوں کی تعداد کسی طرح سے بھی دوسو سے کم نہیں ہے، یہ اعداد و شمار وہ ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تحقیق کے عمل سے گزر چکے ہیں اور ہر طرح کی رعایتوں کو ملحوظ رکھ کر تیار کیے گئے ہیں، ۴ رمئی کے اندوہناک واقعہ پر امریکہ کی وزیر خارجہ نے افسوس کا اظہار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس واقعہ نے انہیں حد درجہ ملول کیا ہے، لیکن کیا محض اظہار افسوس کافی ہے، کیا انہیں یہ معلوم ہے کہ یہ کارروائی ''انجانے'' میں کی گئی ہے، امریکہ اور ناٹو کی آنکھوں اور کانوں کو اس کی خبر نہیں تھی جہاں حملہ کیا جا رہا ہے وہاں سول آبادی ہے، کیا صدر امریکہ انسانی حقوق کی اس خلاف ورزی کا نوٹس لیں گے اور کیا اس ''غلطی'' کا ارتکاب کرنے والوں کو اس طرح سزا دلوائیں گے جس طرح وہ اپنے باشندوں پر اس نوعیت کے ہونے والے حملوں کے مرتکبین کو دلواتے یا مطالبہ کرتے، امریکی صدر نے اپنی اسی افتتاحی تقریر کے بالکل ابتدائی حصہ میں یہ بات کہی تھی آج امریکہ کے سامنے جو چیلنجز منہ پھاڑے کھڑے ہیں ان میں ایک بڑا چیلنج اعتماد کا بحران ہے، امریکہ کو ہر دو سطح پر اس کا سامنا ہے۔ داخلی و خارجی دونوں سطحوں پر وہ اس بحران میں گھرا ہوا ہے، مذکورہ واقعہ اعتماد کے اس بحران کو دور کرنے والا ہے یا سنگین بنانے والا، امریکی صدر سے بہتر اس کا جواب بھلا کون دے سکتا ہے۔

(ش ر)

اس ملت کے افراد ایسا کیوں نہیں سوچ پاتے

مشرقی بھارت میں خلیج بنگال کے ساحل پر واقع تیرتھ استھان پوری شہر بہت جلد عالمی سطح کا ملٹی ڈسپلنری یونیورسٹی کے ذریعہ شکشا استھل (تعلیم آباد) بننے جا رہا ہے۔ یہاں شری جگناتھ سنسکرت یونیورسٹی اور سامنت چندر شیکھر کالج پہلے ہی کئی دہائیوں سے ساحلی اڑیسہ میں علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ نئی یونیورسٹی کے اکیڈمک پروگرام کا پہلا مرحلہ جولائی اگست ۲۰۱۱ میں پورا ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ اس وقت پورے ملک میں ۳۱۵ یونیورسٹیاں عملاً کام کر رہی ہیں جن میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سرسید تحریک کے نتیجہ میں قائم ہوئی۔ ایک اور یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی انگریزوں کی مخالفت میں عدم تعاون یا تحریک ترک موالات کے نتیجہ میں مسلمانوں نے قائم کی مگر مسلمانوں نے اپنی نادانی اور بدبختی کے نتیجہ میں ان دونوں کا اقلیتی کردار اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔ ان دونوں سے پہلے ایک عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نظام نے قائم کی تھی جسے فسطائی طاقتوں نے پولیس ایکشن کے بعد چھین لیا لے دے کر فرد واحد حکیم عبدالحمید واقف ہمدرد دواخانہ کا کارخانہ جامعہ ہمدرد دہلی ابھی تک مسلمانوں کی اپنی یونیورسٹی کہلانے کی پوزیشن میں ہے۔ جہاں سیاسی لیڈر اور دوسرے لوگ اس ملک میں اپنی تعداد بڑھا چڑھا کر بتاتے ہیں۔ آبادی کے حوالہ سے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں ساتھ ہی مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں پسماندگی کے سلسلہ میں گھڑیالی آنسو بہاتے ہیں اور مسلمانوں کی پسماندگی کی واحد وجہ تعلیم کی دولت سے محرومی کو قرار دیتے ہیں آبادی کے تناسب سے تعلیمی ادارے قائم کرنے کا انہیں خیال بھی نہیں آتا مسلمانوں کو علم کی دولت سے سرفراز کرنے کے لئے اپنے عافیت کدوں سے بیان جاری کرنے اور دفع الوقتی کے لئے جگالی کے طور پر طنز و تشنیع اور سب و شتم کرنے سے آگے کوئی عملی قدم اٹھاتے نظر نہیں آتے۔

لندن میں واقع اٹل اگروال فاؤنڈیشن پوری میں فروغ علم کا یہ شاہکار قائم کر رہا ہے۔ جس کے ذمہ داروں کا کہنا ہے کہ یہ ادارہ سائنس، عمرانیات، لبرل آرٹس، پرفارمنگ آرٹس، سوشل سائنس، انجینئرنگ، ایتھلیٹکس، بزنس اسٹڈیز، لا، ہیلتھ اینڈ میڈیکل سائنس اور تعلیم کے دوسرے شعبوں کا ایک حسین امتزاج ہوگا۔ پروجیکٹ کے ڈائریکٹر سنجیو ترشی کے مطابق کم از کم ۹۵ شعبہ ہائے تعلیم میں تدریس کا عمل ویدانت یونیورسٹی انجام دے گی۔ پہلے مرحلہ میں آرٹس، سائنس، انجینئرنگ اور مینجمنٹ کے کورس شامل ہوں گے اس کے ساتھ ہی اس میں ۵۳۰ بیڈ پر مشتمل ملٹی اسپیشلٹی اسپتال بھی شامل ہوگا جو آگے چل کر ۱۰۰۰ بیڈ تک وسیع کر دیا جائے گا۔ ۱۵ ہزار کروڑ روپے کے تخمینہ والی ویدانت یونیورسٹی پروجیکٹ کے تحت اکیڈمک بلڈنگوں، رہائشی ہوسٹلز اور دیگر سہولتوں پر مشتمل عمارتوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ اٹل اگروال فاؤنڈیشن جو یونیورسٹی پروجیکٹ کی واحد پروموٹر ہے تقریباً ۳۷۰۰ ایکڑ زمین حاصل کر چکی ہے جس میں ۳۲۰۰ ایکڑ پرائیویٹ زمین ہے۔ جب کہ مکمل پروجیکٹ کے لئے چھ ہزار ایکڑ زمین مطلوب ہے۔ اس پروجیکٹ کے لئے اب تک کم از کم ۲۸۰۰ افراد اپنی زمینیں دے چکے ہیں۔ مقامی لوگ بھرپور تعاون کر رہے ہیں اور پروجیکٹ کی پروگریس حوصلہ افزا ہے۔ فاؤنڈیشن کی کوشش ہے کہ پہلے مرحلہ کے آخر تک اسپتال بھی کام کرنے لگے جب کہ میڈیکل کالج کے لئے کام اگلے مرحلہ میں کیا جائے گا۔ ٹیچنگ اینڈ ریسرچ اسپتال ملکی و غیر ملکی ہائی کوالیفائیڈ ڈاکٹروں کے ذریعہ اپنے فرائض انجام دے گا کارڈیالوجی اور ڈایابیٹولوجی سمیت سنگین و مزمن امراض کے ماہرین کا یہ ایک علاقائی مرکز ہوگا۔ ممتاز کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر کے پی مشرا کا کہنا ہے کہ اس میں کینسر اور آرتھوپیڈکس جیسے میدانوں کی بھی ماہرانہ طبی نگہداشت کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ مجوزہ یونیورسٹی میں ملک بھر سے اور دنیا بھر سے ایک لاکھ کے آس پاس طلباء کو مواقع فراہم کیا کرے گی واضح ہو کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اس وقت باخبر ذرائع کے مطابق صرف ۳۰ ہزار طلباء فیضیاب ہوئے ہیں۔ ویدانت یونیورسٹی ٹیچنگ، لرننگ اور ریسرچ کا ایک بہترین ماحول فراہم کرے گی اور لیڈنگ اسکالرشپ کے ذریعہ حوصلہ افزائی کرے گی۔ ممتاز سائنس داں اور سابق ڈائریکٹر جنرل آف کونسل آف سائنٹفک انڈسٹریل ریسرچ ڈاکٹر پرفل کمار جینا کے مطابق یونیورسٹی اڑیسہ کو بھارت میں علم کے ایک پرائمری سنٹر میں تبدیل کر دے گی۔ جو تعلیم کے فروغ میں شاندار ریکارڈ قائم کرتے ہوئے دنیا کی عظیم ترین ہارورڈ، اسٹین فورڈ اور آکسفورڈ جیسی یونیورسٹی کا مقابلہ کرے گی۔

اٹل اگروال فاؤنڈیشن کے اس عظیم پروجیکٹ کے مدمقابل مسلمانوں میں بھی این آر آئیز اور اندرونی ملک ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں ہے جن کے اسلاف نواب، بادشاہ اور درباری، زمین دار و جاگیردار رہے ہیں بڑے بڑے صنعت کار فلمی دنیا کی ممتاز شخصیات، کرکٹ کھلاڑی اور سرمایہ دار ہیں جو الیکشن سیاسی سرگرمیوں بلڈنگ وقلعہ جات کی تعمیر شادیوں، باہمی تنازعات مقدمہ بازیوں اور پولیس و دیگر محکمہ جات کے ذمہ داروں کو رشوت دینے میں اندھا دھند دولت بہاتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ذرا سی دولت ہاتھ آنے پر پھول کر کپا ہو جاتے ہیں اور اپنی شان کا مظاہرہ کرنے کے لئے طرح طرح

باقی صفحہ ۵ پر

بلا تبصرہ

رہ رہ کر ہمیں بتایا جاتا ہے کہ کانگریس پارٹی کے لوگوں اور بڑے صنعت کاروں کا پیسہ غیر ملکی بنکوں میں جمع ہے۔ سوال ہے کہ کیا کوئی موثر تدبیر اختیار کی گئی جس کے ذریعہ سے وہاں جمع پیسہ واپس آ سکے؟ اگر نہیں، تو سیاستدانوں سے التماس ہے کہ لوگوں کو بے وقوف بنانے کا کام بند کریں۔ پیسے کا معاملہ چونکہ حساس ہوتا ہے اور سیاسی حلقے سے پیسے کی واپسی کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں اس لئے عوام بخوبی جان چکے ہیں کہ اس معاملے میں کچھ بھی نہیں ہونے والا۔ وجہ؟ جو بھی اس مسئلے کو اٹھا رہے ہیں، خواہ کسی مقدار میں ہو، ان کا پیسہ بھی وہاں ضرور ہوگا۔

اے جے، ویشالی، غازی آباد
راشٹریہ سہارا، ۸ رمئی ۲۰۰۹ء

خبر و نظر

۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء کے بعد

دسمبر ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد سانحہ کے کچھ دن بعد انگریزی کے مشہور اور معمر صحافی سردار خوشونت سنگھ نے اپنی ایک تحریر میں اپنا یہ مشاہدہ بیان کیا تھا کہ وہ اپنی کالونی میں ایک خوش، پوش مہذب، اور وضع دار جوڑے کو آتے جاتے اکثر دیکھتے تھے۔ وضع قطع کے لحاظ سے وہ لوگ ماڈرن تھے جس سے کہ ان کی مذہبی شناخت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ البتہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ لیکن مسجد کے سانحہ کے بعد، جب کہ حالات مسلمانوں کے حق میں نہایت دگرگوں تھے، ان کے اندر تبدیلی دیکھی گئی اور رہن سہن سے وہ مسلمان ظاہر ہونے لگے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مذہبی رسوم یعنی نماز روزے کا اہتمام کرتے ہیں۔ تبدیلی کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ مسجد کے انہدام اور اس کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال نے انہیں خود کے مسلمان ہونے کا احساس دلا دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب مرنا ہی ہے تو مسلمان کی حیثیت سے مریں گے۔ اس پر سردار خوشونت نے کوئی معروضی تبصرہ بھی کیا تھا۔ اس دوران اس نوعیت کے کچھ اور واقعات بھی روشنی میں آئے تھے کہ بے عمل بلکہ بدعمل مسلمانوں کو بھی اس سانحہ سے تکلیف پہنچی ہے، ان کی سوچ اور رہن سہن میں تبدیلی آئی ہے۔ یہ احساس عام ہوا ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کی جا رہی ہے۔

ایک خاتون کا احساس

ان واقعات کی طرف ذہن شبانہ اعظمی سے متعلق ایک ڈاکومینٹری کی خبر پڑھ کر گیا۔ سرخی تھی ''شبانہ اعظمی کو اپنی مسلم شناخت کا احساس کس چیز نے دلایا'' (دی ہندو، ۸ رمئی) خلاصہ یہ ہے کہ ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کے سانحے نے اور ستمبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ میں ہونے والے واقعات کے بعد شبانہ کی سوچ میں تبدیلی آئی ہے۔ اب وہ خود کو ایک فلم اداکارہ اور سماجی کارکن کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی سمجھتی ہیں۔ ۱۱ رستمبر کے بعد تمام مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دینے کی مہم سے دکھی ہیں۔ اس خیال کو بھی انتہائی شرانگیز سمجھتی ہیں کہ ''تمام مسلمان تو دہشت گرد نہیں ہیں لیکن تمام دہشت گرد مسلمان ہیں۔'' وہ سوال اٹھاتی ہیں کہ ''کیا نکسلی، تامل ٹائیگرس اور ماؤ پرست وغیرہ مسلمان ہیں۔'' وہ کہتی ہیں کہ اس معاملے میں مسلمانوں کے ساتھ بے انصافی ہو رہی ہے جس طرح کہ اس ملک میں دلت طبقوں، عورتوں، اپاہجوں اور محتاجوں کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے۔ شبانہ کے ان خیالات کو تعجب کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے جیسا کہ دوسرے دن (۹ رمئی) کے ہندو کے بعض خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ایسی خاتون جس کے ماں باپ سخت گیر کمیونسٹ تھے، جس کی تعلیم و تربیت لادینی ماحول میں ہوئی اور موجودہ ازدواجی زندگی کی شکل بھی یہی ہے، اگر خود کو مسلمان کی حیثیت سے پیش کر رہی ہیں تو اس کا سبب کیا ہے۔

اس تبدیلی کی تاریخ پرانی ہے

شبانہ کے ان خیالات کی حقیقت جو بھی ہو، یہ بہر حال واقعہ ہے کہ اس ملک میں ماڈرن، 'روشن خیال' اور لادینی سوچ رکھنے والے ''مسلمانوں'' کا ایک طبقہ ہمیشہ رہا ہے، جس کے اکثر افراد جہاں ہر معاملے میں مسلمانوں کو مطعون کرتے ہیں، وہیں بہت سوں کے مزاج میں انصاف بھی دیکھا گیا ہے۔ اور پھر اسی ذیل میں ان کے اندر خود کے مسلمان ہونے یا کم سے کم مسلم ملت کے افراد ہونے کا احساس جاگا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال محمد علی جناح مرحوم کی ذات میں ملتی ہے۔ وہ انگریزی تعلیم و تربیت یافتہ ایک ماڈرن انسان تھے جنہیں اسلام اور مسلمانوں سے کوئی عملی تعلق نہ تھا لیکن انڈین نیشنل کانگریس میں رہتے ہوئے انہوں نے محسوس کیا کہ ہند کی آزادی اور مستقبل کے سوال پر مسلمانوں کے سلسلے میں کانگریس کے اکثر لیڈروں کے ارادے ہندو مہا سبھا سے مختلف نہیں ہیں تو ایک نیک انسان اور دیانتدار وکیل کی حیثیت سے انہوں نے مسلمانوں کو مستقبل کی بے انصافی سے بچانے اور آزاد ہند میں ان کے باعزت مقام کو یقینی بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ اسی عمل میں ان کے اندر کا مسلمان بھی بیدار ہو گیا۔ پاکستان کا نام وہ محض دباؤ کے لیے لیتے تھے ورنہ اس کے نقصانات کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ کانگریس کی ذہین لیڈرشپ کے سامنے ان کی نہ چلی۔ لیکن بہر حال ان کے اندرون کی تبدیلی کا محرک بھی وہی تھا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ (پ ر)

کاش حکمراں کشادہ دلی سے کام لیتے

بھارت کے ارد گرد پڑوسی ممالک بنگلہ دیش، نیپال، سری لنکا، پاکستان میں ہر جگہ اضطراب، بے چینی، کشیدگی اور بے یقینی کا ماحول پھیلا ہوا ہے۔ اس خطہ کے لحاظ سے بھارت یقیناً ایک سپر پاور کی حیثیت رکھتا ہے۔ پڑوسی ممالک بہت چھوٹے چھوٹے ملکوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بھارت ایک وسیع و عریض ملک ہے اس کے پاس وسائل و ذرائع کی فراوانی ہے اس کا رقبہ وسیع و عریض ہے اس کی آبادی کثیر اور بہت بڑی ہے جو اس کے لئے بہت بڑی مین پاور ہے۔ قدرت نے اس سرزمین کو اپنی بیشمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، یہاں بیش قیمت اشیاء کی کانیں موجود ہیں زیر زمین ضروری اشیاء کے بیش قیمت خزانے ہیں۔ زرخیز زمینیں ہیں یہاں کے باشندے محنتی ہیں۔ ان کے پاس قدرت کا دیا ہوا اعلیٰ دماغ ہے نیوکلیئر میدان ہو کہ الیکٹرانک یا الیکٹرک زراعت و تجارت ہو کہ صنعت و حرفت تعلیم و تربیت ہو کہ اطلاعات و نشریات کی ٹیکنالوجی یہاں کے اہل دماغ اور محنت کش افراد نے دنیا بھر میں اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑے ہیں۔ اگر ہمارا حکمراں طبقہ اپنے کرپشن قابل نفرت حرص و طمع تفریق و انتشار اور تخریب والی ذہنیت کو پس پشت ڈال کر تعمیر و ترقی، اخوت و محبت باہمی تعاون اور ایمانداری کے ساتھ کام کرے تو ہمارا ملک اس خطہ ہی کا نہیں دنیا کے سپر پاور کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس وقت یہ کہنا کافی نہ ہوگا:

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

سوال دوسروں کے مٹ جانے اور ہمارے نام و نشان کا باقی رہنے ہی کا نہیں ہوگا۔ ہم ساری دنیا کے سرتاج کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں پھر ہم پڑوسیوں کے لئے آئیڈیل بڑا بھائی بھی بن سکتے ہیں ہم ان کے سامنے اچھا قابل تقلید نمونہ بن سکتے ہیں اس وقت ان کو ہمارے بارے میں شکایت بھی نہیں ہوگی وہ ہم سے محبت کریں گے۔

اس وقت اندرونی ملک کا معاملہ ہو یا بیرون ملک کا۔ چانکیہ کی نیتی پر چلنے کی وجہ سے نہ ہم خود سکون و اطمینان کی زندگی گزار رہے ہیں نہ اپنے شہریوں میں پیار و محبت کے جذبات کو فروغ دے پا رہے ہیں نہ ان کو ترقی و تعمیر کی نعمتوں سے ہمکنار کر پا رہے ہیں نہ انہیں باہم شیر و شکر بنا کر بھائی چارہ، پیار و محبت ایثار و اخوت کی شیرینی اور خوشگواری کے احساسات سے لطف اندوز کر پا رہے ہیں نہ اپنے شہریوں کو جان و مال، عزت و آبرو کا تحفظ فراہم کر پا رہے ہیں نہ ہی خود حکمراں و حکام بے خوف و خطر ہو کر اپنے عوام کے ساتھ گھل مل کر رہ پا رہے ہیں۔ نہ ہمارے پڑوسی ممالک و اقوام ہم سے خوش ہیں۔ پاکستان کے ساتھ ہمارے تعلقات اس کے عالم وجود میں آنے کے ۶۲ سال بعد بھی خوشگوار تو کیا نارمل بھی نہیں بن سکے۔ دونوں ملک ہر وقت ہر میدان میں ایک دوسرے کو دشمن کو نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بنگلہ دیش ہم نے بنوا دیا مگر اس کو بھی اپنا بنا کر نہ رکھ سکے۔ ۳۸

باقی صفحہ ۶ پر

اگلے ہدف کی نشاندہی

اسلام آباد- امریکہ نے پاکستان میں طالبان کے مزید ایک مرکز کی نشاندہی کرتے ہوئے اسے اگلا ہدف بتایا ہے۔ امریکی اخبار لاس اینجلس ٹائمز نے دعویٰ کیا ہے کہ اسلام آباد اور پشاور کے درمیان واقع مردان شہر طالبان کے قبضے کا اگلا ہدف ہو سکتا ہے۔ دریں اثناء وادی سوات میں پاکستانی فوج کی طرف سے جاری بمباری میں کم از کم پچیس طالبان ہلاک ہوئے۔ امریکی صدر بارک اوباما کی انتظامیہ نے پاکستان کے صدر آصف علی زرداری کے ساتھ واضح اشتراک اور تعاون کا عہد کیا ہے۔ واضح ہو کہ پاکستان کے صدر نے اپنے امریکی دورہ کے دوران کہا تھا کہ دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان کو امریکی امداد کی ضرورت ہے۔

آسیان ممالک کا اجلاس

ٹوکیو- جنوب مشرقی ایشیائی ممالک نے سوائن فلو سے بچاؤ کے لئے ادویات کے ذخیرہ میں اضافہ اور ایمرجنسی کی صورت میں ان کی فراہمی ممکن بنانے پر اتفاق کیا ہے۔ تھائی لینڈ کے شہر بنکاک میں ہونے والی دس ممالک پر مشتمل آسیان ممالک اور چین اور جنوبی کوریا کے وزرائے صحت کے اجلاس میں طے کیا گیا ہے کہ سوائن فلو کو پھیلنے سے روکنے کے لئے سرحدی تعاون کو بڑھایا جائے۔ حالات سے نمٹنے کے لئے مشترکہ ٹیمیں تشکیل دی جائیں اور متاثرہ علاقوں کو چھوڑنے والوں کی اسکریننگ کو ممکن بنایا جائے۔

امریکی سفارتخانہ کو دھمکی

ڈھاکہ- بنگلہ دیش میں جنگجوؤں کی امریکی سفارتخانہ سمیت تین غیر ملکی سفارتخانوں کو دھمکی کے بعد راجدھانی ڈھاکہ میں سفارتی زون میں حفاظتی انتظامات سخت کر دئے گئے ہیں۔ ڈھاکہ میں پولیس کے سربراہ اے کے ایم شاہد الحق کے مطابق امریکی سفارتخانہ کے علاوہ کناڈا اور آسٹریلیا کے ہائی کمیشنوں سے انہیں یہ شکایت ملی ہے کہ انہیں دھمکی آمیز فیکس پیغامات موصول ہوئے ہیں۔

لٹن کی مسجد کو نقصان

لندن- یوروپی ممالک میں اسلام کے خلاف سازشوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسلامی تہذیب پر حملے اور مساجد پر حملوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اسلام مخالفین نے اپنی شرپسندی جاری رکھتے ہوئے لندن کے نواحی علاقے لٹن کی ایک مسجد کو آگ لگا دی۔ لندن سے ۶۰ میل کے فاصلے پر واقع قصبے لٹن میں نامعلوم اشرار نے دیر رات ایک فائر بم کا استعمال کرتے ہوئے مسجد الغربا کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی۔ اس حملے میں مسجد کا بڑا حصہ شہید ہو گیا۔ آگ سے مسجد کا اندرونی ہال بھی کافی متاثر ہوا۔ واضح رہے کہ لٹن میں ہندوستان و پاکستان کے بشمول ایشیاء کے مسلمانوں کی بڑی تعداد رہائش پذیر ہے۔ مقامی افراد کا کہنا ہے کہ مسجد کے حوالے سے کئی روز سے دھمکیاں مل رہی تھیں جس کے بارے میں پولیس کو آگاہ کر دیا گیا تھا۔

مسلمانوں کا احترام

عمان- پوپ بینڈکٹ نے کہا کہ مذہبی آزادی انسانی حق ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے اپنے دل میں بے حد عزت اور احترام رکھتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اردن میں شاہ عبداللہ اور ملکہ رانیا کی طرف سے دیے گئے استقبالیہ میں خطاب کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح کو سمجھنے اور ان کی پیروی پر اردن کے حکمرانوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ شاہ عبداللہ نے اپنے خطاب میں مسلم مسیحی اختلافات کے خاتمے کے لئے ڈائیلاگ پر زور دیا۔

ملت اسلامیہ کی تعلیمی پسماندگی: اسباب اور علاج

محمد نصیر الدین، حیدرآباد

"ملت اسلامیہ کی ترقی اور عروج حصول تعلیم ہی سے ممکن ہے۔ ملت اسلامیہ کی معاشی پسماندگی کا حل تعلیم ہے۔ ملت اسلامیہ کی پسماندگی کا علاج اعلیٰ تعلیم ہے"۔ یہ وہ جملے ہیں جو ہمارے قائدین، علماء اور دانشور حضرات آئے دن جلسوں، سیمیناروں اور تقریروں میں ادا کرتے رہتے ہیں۔ موسم بہار کی آمد سے قبل تعلیمی سرگرمیاں بڑے عروج پر ہوتی ہیں۔ تعلیمی ادارے بڑی تیزی سے وجود میں آنے لگتے ہیں۔ معیار تعلیم اور نتائج کو لے کر چوطرف بلند بانگ دعوے ہونے لگتے ہیں۔ داخلوں کے لئے بھاگ دوڑ شروع ہوجاتی ہے۔ بظاہر یہ بڑی اچھی علامتیں ہیں اس لئے کہ جو قوم حصول علم می آگے ہوتی ہے وہی قیادت وسیادت کے منصب پر فائز ہوتی ہے اور جو قوم تعلیم سے اپنا رشتہ کمزور رکھتی ہے وہ دنیا میں ذلت وخواری کے مقام پر پہنچ جاتی ہے اور نت نئے مسائل اور مشکلات اس کا مقدر بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے حصول علم کو فرض قرار دیا ہے اور ہر مسلمان مرد وعورت پر علم کا حصل کرنا لازم گردانا ہے۔ لیکن یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں نہ صرف مسلمان تعلیمی طور پر پسماندہ ہیں بلکہ دیگر اقوام اور طبقات سے بھی مقابلتاً پیچھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملک بھر میں مسلمانوں کی اکثریت ابھی بھی سطح غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے یہ اور بات ہے کہ چند نامی گرامی ہستیاں مسلمانوں کی ارب پتی بھی ہیں، چند مسلمان ملک کے اعلیٰ مناصب اور عہدوں پر بھی پہنچ چکے ہیں اور مسلمانوں کی سیکڑوں تنظیمیں ان کی فلاح وترقی کے لئے سرگرم ہونے کا بلند بانگ دعویٰ بھی کرتی تھیں۔ یہ نکتہ کافی غور وفکر کا ہے کہ جس قوم کی مقدس کتاب کا آغاز "اقراء" پڑھنے اور پڑھانے کی تعلیم سے ہوا ہے آج وہ قوم میدان تعلیم میں اتنی پیچھے کیوں ہے؟ مسلمانوں کا ماضی تو دوسری تصویر دکھاتا ہے۔ ماضی میں جتنی ایجادات ہوئی ہیں، سائنس وٹیکنالوجی، ریاضی، فلسفہ، ادب، علوم وفنون اور دیگر شعبہ ہائے حیات میں جو کچھ ترقی ہوئی ہے وہ ساری کی ساری مسلم سائنسدانوں اور ماہرین علوم کی کوششوں اور کاوشوں ہی کا نتیجہ ہیں۔ میڈیسن اور طبعیات وکیمیا کی ساری ایجادات بھی مسلم ماہرین کا کارنامہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ: "علم وحکمت مسلمانوں کی متاع گم گشتہ ہے"۔ ماضی کے ان سپوتوں پر صادق آتا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی اور ہدایت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے دنیا کے کئی علوم وفنون اور زبانوں پر عبور حاصل کیا اور اسلام کی دعوت کو ساری دنیا میں پہنچایا۔ تاریخ کا یہ بھی ایک زریں باب ہے کہ مسجد نبویؐ کے چبوترے پر پہلی اسلامی یونیورسٹی قائم ہوئی جہاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رات دن حصول علم میں مصروف رہتے تھے جنہیں دنیا اصحاب صفہؓ کے نام سے جانتی ہے۔ آج جبکہ ساری دنیا میں علوم وفنون میں نئی نئی ایجادات ہورہی ہیں غور وتحقیق کا کام ہورہی ہے، ہزاروں یونیورسٹیاں ساری دنیا میں قائم ہیں، بنیادی تعلیم کا حصول لازم کردیا گیا ہے اور حصول علم کے نت نئے طریقے دریافت ہوچکے ہیں۔ مسلمانوں کا تعلیم کے میدان میں پسماندہ ہونا انتہائی افسوس وتشویش کا مقام ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مسلمان دیگر اقوام کے مقابلے میں میدان علم وہنر میں پیچھے ہیں؟

تعلیمی پسماندگی کے اسباب:

(۱) تعلیم بحیثیت تجارت: اگرچہ حکومت فروغ علم کے سلسلے میں طرح طرح کی کوششیں کررہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تعلیم تجارت بن گئی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے بچوں کو کسی معیاری اسکول میں داخلہ دلانا چاہے تو اسے تخت تگ ودو اور اثر ورسوخ کے باوجود ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ نرسری سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک ڈونیشن اور مختلف عنوانات کے تحت فیسوں کی ادائیگی عام آدمی کے لئے ناممکن ہے۔ ڈونیشن اور مختلف ناموں سے فیسوں کی وجہ سے ایک باپ اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دلا پاتا۔ اگر وہ اپنے دل پر جبر کرکے سرکاری اسکولوں میں داخلہ دلواتا ہے تو بچے کے مستقبل سے اساتذہ کھلواڑ کرتے ہیں۔ سرکاری اسکولوں اور اداروں کے اساتذہ الا ماشاء اللہ تعلیم سے زیادہ اپنی دیگر مصروفیات کے سلسلے میں فکرمند ہوتے ہیں۔ کلاس کی تعلیم سے زیادہ اسکول کے باہر ٹیوشن پڑھانا انہیں زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اسکول میں وہ اپنی تجارت، لین دین، دیگر کاروبار یا ملنے والی مراعات کے سلسلے میں غور وفکر کرتے ہوئے اوقات ختم کردیتے ہیں۔ انہیں نہ بچوں کو تعلیم دینا یاد ہوتا ہے اور نہ ہی بچوں کے مستقبل کی فکر ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سرکاری نوکری گویا کہ تفریح طبع کا ذریعہ ہے جس سے اچھا خاصا معاوضہ بھی انہیں مل جاتا ہے اور سرکاری نوکری کے ساتھ گھر کے دوسرے افراد کے نام سے پرائیویٹ اسکول بھی قائم کرلیتے ہیں یا پھر کوچنگ کلاسز اور کوچنگ سنٹر کھول لیتے ہیں۔ ظاہر ہے ایک طرف عام طبقہ زبردست فیس دے کر پرائیویٹ اداروں میں بچوں کو داخلہ نہیں دلواسکتا تو دوسری طرف سرکاری اسکولوں میں ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ ایسے میں قوم کا بڑا طبقہ خود بخود تعلیم کے میدان میں پیچھے ہوجاتا ہے۔

(۲) غیر معیاری پرائیویٹ ادارے: بیروزگاری دور کرنے کے لئے بعض افراد اور گھر بیٹھے پیسہ کمانے کی حرص میں اکثر خواتین نے محلہ محلہ اسکولوں کا جال بچھادیا ہے۔ ایسے اسکول جہاں طلباء کو تعلیم وہنر سے آراستہ نہیں کیا جاتا بلکہ تعلیم کے نام پر ان کے مستقبل کو تباہ کردیا جاتا ہے جہاں نہ تعلیم دینے کے لئے قابل ٹیچر ہوتے ہیں نہ بنیادی انفراسٹرکچر ہوتا ہے اور نہ ہی تعلیمی ماحول پایا جاتا ہے۔ بڑا گھر ہے اسکول بنالیا، تھوری سی جگہ کرایے پر لے لی، گھر میں کچھ جگہ خالی ہے اسکول بنا دیا اور تو اور خاندان کے افراد بیکار ہیں۔ کسی امتحان کی تیاری کررہے ہیں، لڑکیاں پردے کی وجہ سے باہر جانا پسند نہیں کرتیں وغیرہ وجوہ سے اساتذہ کا تقرر ہوتا ہے۔ ایسے اداروں میں معمولی تنخواہوں پر غیر معیاری اساتذہ کا تقرر کیا جاتا ہے جنہیں فن تعلیم وتربیت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ حد تو یہ ہے کہ اسکول قائم کرنے والے ماہر تعلیم نہیں ہوتے بلکہ بلڈر این آر آئی یا بیڑی کے کامیاب تاجر یا پھر جائداد کے مالک جنہیں کچھ سماجی کام سے دلچسپی ہوتی ہے وہ اپنے نام کے لئے مدرسہ قائم کردیتے ہیں۔ ان کے نام کی وجہ سے کئی شریف النفس افراد اپنے بچوں کو اس میں داخل بھی کرادیتے ہیں جہاں طلباء کے مستقبل سے کھلواڑ کیا جاتا ہے اور یوں طلباء میں تعلیم سے دلچسپی ختم ہوجاتی ہے۔

(۳) نوکر شاہی و بیوروکریسی کا رول: مرکزی و ریاستی حکومتیں، سرکاری ونیم سرکاری ادارے فروغ تعلیم کے لئے اربوں روپے مختلف اسکیموں پر خرچ کرتے ہیں تاکہ ملک سے ناخواندگی کا خاتمہ ہو اور ہر بچے کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ کافی غور وفکر اور بحث و مباحثہ کے بعد بنائی گئی مختلف اسکیمیں شروع تو ہوتی ہیں لیکن متعلقہ عملے کی غیر سنجیدگی کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوپاتے طرفہ تماشا یہ کہ نوکر شاہی کے کرپشن میں غرق ہونے کی وجہ سے زیادہ تر اسکیمیں کاغذ ہی پر مکمل ہوجاتی ہیں۔ نئی نسل ان سے استفادہ نہیں کرپاتی۔ کوئی ادارہ نہ سرکاری ہے اور نہ ہی غیر سرکاری ہے جو سنجیدگی سے مختلف تعلیمی اسکیموں پر کامیابی سے عملدرآمد کراسکے۔

(۴) ملی اور سماجی رہنمائوں کی سرد مہری: ملی اور سماجی رہنما ملت کی تعلیمی پسماندگی سے پوری طرح واقف ہیں اور اس کی وجوہ کا بھی انہیں اچھی طرح علم ہے لیکن جہاں تک پسماندگی دور کرنے کا سوال ہے اس سلسلے میں وہ بھی کچھ نہیں کرتے۔ بجز معدودے چند افراد کے بقیہ کا معاملہ یہ ہے کہ جذباتی مسائل میں ملت کو الجھا کر رکھنا ان کا محبوب مشغلہ ہے تاکہ ہر پانچ سال میں وہ آسانی سے ووٹ حاصل کرسکیں۔ انہیں ملت کی پسماندگی ہی میں اپنی فلاح وبہبود نظر آتی ہے۔ بعض وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے ملت کے نام پر چند اعلیٰ تعلیم یا پروفیشنل تعلیم کے ادارے قائم کرلئے ہیں اور ان کی آمدنی پر عیش کوشی کررہے ہیں۔ انہیں بنیادی تعلیم کی بات نہایت شاق گزرتی ہے۔ انہیں نئی نسل کے مستقبل سے زیادہ ڈونیشن اور آمدنی کی بے مہار دولت سے زیادہ محبت ہے۔

(۵) تعلیم کو ملازمت کا ذریعہ سمجھنا: یہ بات عوام کے ذہن ودماغ میں رچ بس گئی ہے کہ ڈگری کا واحد مقصد ملازمت ہے۔ تعلیم کی غرض وغایت ملازمت ہے۔ چنانچہ اچھے تعلیمی اداروں کی خوبی یہ ہے کہ وہاں کے طلباء نمبروں کے ساتھ ڈگری حاصل کریں۔ اس سوچ وفکر کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلباء ان راہوں پر چل پڑے جن سے زیادہ سے زیادہ نمبر حاصل ہوسکیں، ان میں قابلیت یا صلاحیت پیدا ہو یا نہ ہو۔ اس پر چل کر جب طلباء ڈگریاں حاصل کرلیتے ہیں تو عموماً عدم صلاحیت وقابلیت کی بنیاد پر نوکری سے محروم رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بھی اور ان کے ساتھ سرپرست اور عوام بھی ان ڈگریوں ہی کو ملامت کرنے لگ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ برملا یہ تبلیغ وتلقین کرتے بھی دیکھے جاتے ہیں کہ حصول ڈگری یا تعلیم میں وقت ضائع کرنے کے بجائے وہی وقت تجارت یا دیگر کاروبار میں لگانے سے کم از کم مسئلہ معاش تو حل ہوجائے گا۔

مندرجہ بالا اسباب پر نظر ڈالنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ تعلیم کو عام کرنے کے لئے مختلف جہتوں سے کچھ کوششیں ضرور ہورہی ہیں لیکن سنجیدگی اور اخلاص کی کمی کی وجہ سے یہ کوششیں ثمر آور نہیں ہوسکیں۔ دوسری طرف حصول تعلیم کے مقدس فریضے کا جو مقصد ہونا چاہئے اسے پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حصول تعلیم کے مقصد ہی کو نظر انداز کردیا جائے تو اس سمت میں ہونے والی تمام تر کوششیں بے سمت اور بے مقصد ہوں گی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین: اساتذہ کے رول کے متعلق لکھتے ہیں: استادوں کے پاس قوم کے دلوں کی کنجیاں ہوتی ہیں۔ ان کی شخصیت کے جادو سے اجاڑ دلوں سے حیات تازہ کے چشمے پھوٹ سکتے ہیں"۔

مولانا ابوالکلام آزادؔ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے افتتاح کے موقع پر فرمایا تھا۔ اس سے فارغ ہونے والے اپنے علوم میں ماہر ہونے کے علاوہ دوسری زبانوں سے بھی آشنا ہوں۔ ایک طرف اسلام کا فرض ادا کریں۔ غیر مذاہب کے حملوں سے واقف ہوں اور دنیا میں اسلام کو کمزور کرنے کی سازشوں کا سدباب کریں"۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ: اساتذہ کی اہمیت پر فرماتے ہیں: "معلم اگر اسلامی اسپرٹ سے خالی ہوگا تو طلباء میں اسلامی اسپرٹ کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ طلباء کی سیرت وکردار کے معمار اساتذہ ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ صاحب کردار اور ذی علم اساتذہ کا مسلم اداروں میں تقرر کیا جائے اور انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے کہ وہ خواہ کسی بھی فن کے ماہر ہوں اور کوئی بھی مضمون پڑھا رہے ہیں اپنے سامنے اس نصب العین کو رکھیں کہ انہیں اپنے اداروں سے ایسے افراد کو تیار کرنا ہے جو دنیا کے معاملات میں بھی سرخرو رہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی کامیاب ہوں، عزت وسربلندی کی شاہراہ پر ہمیشہ قدم بڑھاتے رہیں"۔

مذکورہ بالا نامور مشاہرین کے خیالات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انھوں نے اساتذہ کے رول، ان کے جذبے، محنت اور کوشش کو کافی اہمیت دی ہے اور بتایا ہے کہ طلباء کے تعلیمی مستقبل کی باگ ڈور اساتذہ کے ہاتھوں میں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ دینی شعور وفکر سے کبھی بھی "غفلت نہ برتی جائے۔ ابتداء ہی سے دینی علوم میں طلباء کے اندر مہارت پیدا کی جائے تاکہ وہ عملی میدان میں جب قدم رکھیں تو اسلام مخالف طاقتوں کا سامنا کرسکیں اور اسلام کی دعوت بے کم وکاست پیش کرسکیں، لیکن وہ کیا امور ہیں جن پر توجہ دیں تو ملت کی تعلیمی پسماندگی دور ہوسکتی ہے؟

تعلیمی پسماندگی کا علاج:

(۱) تعلیم برائے قابلیت وصلاحیت: سب سے پہلے اس خیال کا خاتمہ ضروری ہے کہ تعلیم کا مقصد ملازمت یا روزگار کا حصول ہے بلکہ اس شعور وفکر کو عام کرنے کی ضرورت ہے کہ تعلیم کا مقصد انسانیت اور انسانی اقدار کا پیدا کرنا ہے۔ آدمی کے اندر اس کی ذات اور اجتماعیت کے تئیں عائد ہونے والی ذمہ داریوں کا شعور بیدار کرنا ہے تاکہ وہ سماج میں کسی بھی حیثیت سے رہے اور جس انداز میں بھی زندگی گزارے ایک ذمہ دار شہری کا رول ادا کرے ساتھ ہی یہ احساس بھی بیدار کرنا ہے کہ چاہے وہ ملازمت کرے، تجارت کرے، کسی بھی فن کو حاصل کرے اور کوئی بھی ذریعہ معیشت اختیار کرے متعلقہ پیشے کے اصول، اقدار اور اخلاق کو نظر انداز نہ کرے۔

(۲) معیار تعلیم پر توجہ: عوامی نمائندوں، غیر سرکاری اداروں اور والنٹیری اداروں کی اس سلسلے میں ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ وہ اپنے اپنے علاقوں اور اور آبادیوں میں موجود سرکاری اداروں کو معیاری بنانے میں مناسب رول ادا کریں۔

متعلقہ محکمہ کے افسران سے رابطہ رکھیں، مدارس کے اساتذہ کو توجہ دلائیں اور ابتدائی اسکولوں میں اعلیٰ معیار پروان چڑھانے کی کوشش کریں۔ اسی طرح پرائیویٹ اسکولوں میں ہورہی من مانی اور بے قاعدگیوں کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ مستقبل کے معمار انہی اداروں سے نکلنے والے ہیں۔ جیسے تیاری کروگے ویسے افراد پاؤگے۔

(۳) پسماندہ آبادیوں پر توجہ: ہر بڑے شہر کی پسماندہ بستیوں کا انتخاب کیا جائے جہاں مسلمانوں کی تعداد قابل لحاظ پائی جاتی ہو، وہاں مختلف سماجی، فلاحی اور ملی تنظیموں کو حسب سہولت و وسائل پسماندہ بستی الاٹ کردی جائے کہ اس آبادی میں متعلقہ تنظیم اور ادارہ مکمل توجہ دے گا۔ مسائل کو حل کرے گا اور اس پسماندہ بستی کو تعلیمی پستی سے نجات دلائے گا۔ اس طرح مختلف تنظیموں، اداروں اور انجمنوں کے وسائل اور دیگر افرادی قوت، منصوبہ بند ومنظم انداز میں کسی آبادی میں لگیں گے اور پھر فوری نتائج بھی حاصل ہوں گے۔

(۴) سرکاری اسکیموں پر توجہ: حکومت اور نیم سرکاری ادارے پسماندہ علاقوں میں فروغ تعلیم کے لئے اسکیمیں بناتے ہیں۔ لیکن عموماً اس طرح کی اسکیموں سے اکثریتی طبقہ کے لوگ ہی مستفید ہوپاتے ہیں۔ ملت کے افراد محروم ہی رہتے ہیں۔ ایک میکانزم ایسا بنایا جائے کہ ملت کے سربرآوردہ افراد ان اسکیموں کا جائزہ لیتے رہیں اور مختلف مسلم بستیوں میں اس طرح کی اسکیمیں شروع کرنے پر توجہ دیں۔ ظاہر ہے اس انداز سے تھوڑی سی دلچسپی اور توجہ سے فروغ تعلیم کا بہت بڑا کام پسماندہ بستیوں میں انجام دیا جاسکے گا۔

(۶) مساجد کا کردار: مساجد کی ملی زندگی میں بڑی اہمیت ہے۔ دور نبویؐ میں مساجد سارے مسلمانوں کی زندگی کا محور ومرکز تھیں۔ لیکن یہ صورتحال فی زمانہ ختم ہوگئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سمت دوبارہ قدم بڑھایا جائے کہ مساجد کی عالیشان عمارتوں کو محض واہ واہ کی حد تک نہ رکھا جائے بلکہ ان کو نئی نسل کی تعلیمی ترقی، دینی شعور کی بیداری اور اسلامی کردار کو پروان چڑھانے کے مرکز کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔ تعلیمی ترقی کے ضمن میں صباحی مدارس، کوچنگ کلاسز، بک بینک اور لائبریری کی سہولت بہم پہنچائی جاسکتی ہے۔ شبینہ مدارس تعلیم بالغان کے طور پر کام کرسکتے ہیں۔ اسی طرح مساجد کے کچھ حصے کو تعلیم وکیریئر کی رہنمائی کے لئے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ نئی نسل کی کردار سازی کے لئے یہاں اقامتی کیمپ رکھے جاسکتے ہیں جہاں دین وشریعت کے اصول وضروری معلومات کے عملی مظاہرے کئے جائیں۔ صحیح مسلمان اور داعی کی شکل میں انہیں عملی زندگی سے وابستہ کیا جائے۔

(۷) زکوٰۃ اور چرم قربانی کا صحیح مصرف: مسلمان ہر سال کروڑہا روپے زکوٰۃ کے طور پر تقسیم کرتے ہیں اور قربانی کے چرم لاکھوں کی تعداد میں غریبوں کو دیتے ہیں لیکن ان رقوم کے وصول وخرچ میں منظم طریقہ کار نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے وہ معمولی مقاصد، وقتی مقاصد اور وقتی مسائل میں خرچ کردی جاتی ہیں۔ حالانکہ ان رقوم کا اگر پچاس فیصد حصہ بھی منظم انداز میں ملت کی تعلیمی ومعاشی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے مختلف مستقل منصوبے اور اسکیم بناکر خرچ کیا جائے تو ملت کی پسماندگی کو دور کیا جاسکتا ہے۔ ہزار ہا افراد ایسے ہیں جو مستقلاً ان مدات سے ہر سال رقوم حاصل کرتے ہیں اور ہر نئے سال "ھل من مزید" کی تمنا لئے اہل خیر کے در پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس سلسلے کو روکنے کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے کہ ان رقوم کا استعمال منظم انداز میں تعلیمی ترقی اور فلاح وبہبود کے لئے کیا جائے۔

(۸) وقف جائدادوں اور آمدنی کا استعمال: اسلاف نے مسلمانوں کی ترقی کے لئے اربوں روپے کی جائدادیں سارے ملک میں وقف کردیں، لیکن سانحہ یہ ہے کہ ملت ان سے مستفید ہونے کے بجائے ان کی تباہی پر آنسو بہانے پر اکتفا کررہی ہے۔ بعض جگہوں پر وقف جائدادوں کی آمدنی سے کچھ ادارے ضرور چل رہے ہیں لیکن ملت کی یہ بدقسمتی ہے کہ کسی بھی تنظیم یا ادارے نے وقف آمدنی کے استعمال کا کوئی عملی خاکہ تیار نہیں کیا اور نہ ہی وقف جائدادوں کو ملت کی فلاح وترقی کے لئے استعمال کرنے کے سلسلے میں کوئی اسکیم تیار کی ہے۔ ملت کے اہل دانش اور زعماء اگر اس سلسلے میں پہل کریں اور متعلقہ حکومتوں سے تعاون بھی لیں تو وقف جائدادوں اور ان کی آمدنی کو منظم انداز میں مدت کی تعلیمی و معاشی پسماندگی کو دور کرنے میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۹) ملی اداروں میں تعاون: یقیناً ہر مقام پر کئی انجمنیں، ادارے اور تنظیمیں اپنے اپنے وسائل کے مطابق ملت کی فلاح وبہبود کے کاموں میں مصروف ہیں۔ لیکن ان کے درمیان ربط و تعاون کا فقدان ہے۔ جس کی وجہ سے سب کی مشترکہ کوششوں کے کوئی زیادہ مفید اثرات نظر نہیں آرہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر ریاست میں ملی ادارے مشترکہ کنفیڈریشن بنائیں۔ اپنے اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق اپنا کام اور دائرہ کار متعین کریں اور اس کے مطابق منظم انداز میں کام کریں تو سب کی سرگرمیوں کے متعینہ نتائج واقعی برآمد ہوسکتے ہیں۔

●●

وینزویلا کے صدر کی عرب دُنیا میں مقبولیت کا سبب

صبا ممتاز

وینزویلا کے صدر ہوگوشاویز نے چین کے تین روزہ سرکاری دورے کے دوران چین کو عالمی قوت کا محور قرار دیا ہے۔ چینی وزارت خارجہ کے مطابق صدر ہوگوشاویز کو چین کے صدر نے دورے کی دعوت دی تھی۔ اس دورے کے دوران وینزویلا کے صدر ہوگو شاویز نے چین کو دنیا کا اقتصادی وسیاسی مرکز قرار دیتے ہوئے کہا کہ عالمی سیاست چین کے گرد گھوم رہی ہے۔ شاویز نے کہا کہ چین ایک عالمی طاقت ہے۔

شاویز کا یہ بیان عالمی سطح پر امریکہ مخالف ممالک کے لئے خیر مقدمی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ دنیا پر اجارہ داری کا خواب دیکھنے والا امریکہ پیار ومحبت کی بجائے طاقت اور جبر کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ امریکہ کے مقابلے میں چین کا کردار ہمیشہ مثبت رہا ہے۔ چین اس وقت عالمی طاقت کی حیثیت سے پوری دنیا میں اپنا آپ منوا رہا ہے۔ بلاشبہ اس کامیابی کے لئے چین کی حکومت کی پالیسیاں اور چینی عوام کی شب وروز کی محنت تعریف کے قابل ہے۔ لیکن چین کا عالمی سطح پر لڑائی جھگڑوں اور چپقلشوں کی سیاست سے دور رہنے کا رویہ بھی اسے دنیا کی نظروں میں ہر دلعزیز بنا رہا ہے۔ کساد بازاری کے اس دور میں بھی چین پوری شد ومد سے عالمی محاذ پر کھڑا ہے اور اپنی تجارتی پالیسیوں اور مفاہمتی اہداف سے دنیا کو متاثر کررہا ہے۔ ہوگوشاویز ۲۰۰۸ء میں امریکہ مخالف رہنما کے طور پر ابھر کر سامنے آئے ہیں۔

ہیوگوشاویز کو ایک انقلابی حکمراں کے طور پر بھی شہرت حاصل ہے۔ ۱۹۹۸ء میں پہلی مرتبہ برسراقتدار آنے کے بعد ہیوگوشاویز کو ایک طرف نہایت قابل تعریف اور دوسری طرف نہایت ناپسندیدہ حکمراں کے طور پر اپنے ملک وینزویلا اور پوری دنیا میں جانا جاتا ہے۔ وینزویلا میں شاویز کے لئے دوطرح کی حمایت ہے۔ ایک دھڑے کا کہنا ہے کہ شاویز غریبوں کے لئے کام کرتے ہیں جبکہ دوسروں کا کہنا ہے کہ وہ آمر کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں۔ ان کے حامیوں کا موقف یہ ہے کہ شاویز وہ واحد شخصیت ہیں جنھوں نے وینزویلا کے غریبوں کے حقوق کے لئے آواز اٹھائی ہے۔ دوسری طرف ان کے ناقدین کا کہنا ہے کہ وہ کیوبا کے کمیونسٹ نظام کی تقلید کررہے ہیں۔ ہیوگوشاویز ۱۹۹۲ء میں ایک ناکام گروپ کے سربراہ کی حیثیت سے سامنے آئے، تاہم وہ اپنے ملک کے امیروں اور غریبوں میں تفریق دور کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ ان کی مخالف جماعتیں ۲۰۰۲ء سے انہیں قانونی طریقوں سے صدارت کے عہدے سے ہٹانے کی کوشش کررہی ہیں، اس لئے انہیں ۲۰۰۴ء میں صدارت کی توثیق کے لئے ریفرنڈم کرانے کی بھی ضرورت پڑی جس کے ذریعے ان کی صدارت مستحکم ہوگئی۔ اس ریفرنڈم میں انہیں بھارتی اکثریت سے ووٹ حاصل ہوئے۔ اس جیت پر انھوں نے کہا تھا کہ وہ دسمبر ۲۰۰۶ء کے انتخابات میں دوبارہ چھ سال کے لئے منتخب ہوجائیں گے اور قانون میں تبدیلی کے ذریعے پھر سے ۲۰۱۲ء میں منتخب ہوجائیں گے۔ ہیوگوشاویز نے جب ۱۹۹۸ء میں اقتدار حاصل کیا تو وینزویلا کے پرانے احکام کو نظر انداز کردیا گیا۔ اپنے ہمسایہ ملک کی طرح وینزویلا کی یہ جمہوری حکومت ۱۹۵۸ء سے مسلسل اقتدار میں ہے، لیکن ملک کی دو اہم جماعتیں انہیں ملک میں انتظامی بدعنوانی کا ذمہ دار ٹھہراتی ہیں اور ان پر تیل کی دولت ضائع کرنے کا الزام لگاتی ہیں۔ ہیوگوشاویز نے انقلابی سماجی تبدیلیوں کا وعدہ کیا ہے اور اسٹیبلشمنٹ کو "سفاک طبقہ امراء" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بین الاقوامی ریاست کی بدعنوان غلام ہے۔ تیل کے ایگزیکیٹوز پر انھوں نے پرتعیش زندگی گزارنے کا الزام عائد کیا تھا۔ ہیوگوشاویز نے چرچ کے پادریوں کے متعلق بھی کہا تھا کہ وہ یسوع مسیح کے راستے پر نہیں چل رہے۔ ہیوگوشاویز کی خارجہ پالیسی کو متضاد پالیسی کہا جاتا ہے۔ ان پر مختلف الزامات بھی لگائے جاتے رہے ہیں، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کولمبیا کے باغیوں سے مبینہ طور پر تعلقات استوار کئے اور گیانا کے علاقوں پر اپنی ملکیت کا حق جتایا۔

انھوں نے متعدد بار امریکہ کو دہشت گرد کہا جس پر ان کے واشنگٹن سے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ انھوں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے اپنے خطاب کے دوران امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش کو "شیطان" کہا تھا۔ انھوں نے باقاعدہ اشارہ کرتے ہوئے شیطان کا لفظ استعمال کیا تھا۔ پھر انھوں نے یہ بھی کہا کہ "کل یہاں شیطان آیا تھا اور ایسے بات کررہا تھا جیسے وہ دنیا کا مالک ہو"۔

اقوام متحدہ کے ادارے کے متعلق بھی انھوں نے فقرات کسے تھے کہ "موجودہ طریقے سے یہ کوئی کام نہیں کرسکتا اور شاید کوئی بھی اس نظام کا دفاع نہیں کرے گا"۔ جنگ عظیم دوم کے بعد وجود میں آنے والا یہ ادارہ کسی قابل نہیں۔ ان کے تعلقات شروع سے امریکہ سے کشیدہ چلے آرہے ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں امریکہ سے ان کے حالات کچھ بہتر ہونے لگے تھے کہ انھوں نے الزام لگایا کہ امریکہ انہیں صدارت سے ہٹانے کے لئے ان کے مخالف گروپوں کی خفیہ طور پر حمایت کررہا ہے۔ ہیوگو شاویز کا لمبا دور اقتدار مختلف واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ ہیوگوشاویز نے بہت بڑی تعداد میں سماجی بھلائی کے پروگرام شروع کررکھے ہیں جس میں تعلیم اور صحت سب کے لئے شامل ہیں۔ فروری ۱۹۹۲ء میں معاشی صورتحال پر ناراضگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہیوگوشاویز نے کارلوس آندریس پیریز کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی۔ شاویز نے دو سال جیل میں بھی گزارے، اس کے بعد وہ اپنی جماعت کو پانچویں ری پبلک کی تحریک کے طور پر سامنے لائے اور فوجی سیاستداں بن کر ابھرے۔ وینزویلا کے صدر ہیوگوشاویز نے اپنے حالیہ دورۂ چین میں امریکہ پر تنقید کرتے ہوئے چین کو دنیا کا اقتصادی وسیاسی مرکز قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ عالمی سیاست چین کے گرد گھوم رہی ہے۔ تین روزہ چین کے دورے پر انھوں نے چینی صدر سے ملاقات کی۔ انھوں نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ چین ایک مستند عالمی طاقت ہے اور حالیہ عالمی بحران میں چین کی جانب سے اٹھائے جانے والے تمام اقدامات مثبت اور دور رس ہیں۔ چین وینزویلا سے روزانہ تین لاکھ ۸۰ ہزار بیرل تیل خریدتا ہے اور ہمیں امید ہے کہ ۲۰۱۳ء تک یہ تعداد ایک ملین بیرل روزانہ تک پہنچ جائے گی۔ ہیوگو شاویز نے یہ بھی کہا کہ دنیا ایک نظام کی جانب بڑھ رہی ہے اور امریکی اقتدار کا خاتمہ قریب ہے۔ بیجنگ، تہران اور ٹوکیو نئی طاقتوں میں شامل ہوں گے۔ چینی صدر نے ہیوگوشاویز کا خیرمقدم کرتے ہوئے انہیں چین کا دوست قرار دیا اور کہا کہ چین اور وینزویلا کے بڑھتے ہوئے تعلقات کی بنیاد شاویز نے رکھی۔ ہیوگو شاویز چین کے ایک دوست کی حیثیت سے ہمارے دلوں میں رہتے ہیں۔ ہیوگوشاویز نے بارک اوباما کے متعلق بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

صدر بش کے بعد اوباما دنیا کی نگاہ میں ہیں مگر جب تک ان کا حقیقی تبدیلی کا نعرہ موثر نہیں ہوتا تب تک وہ اپنا مقام نہیں منوا سکتے۔ اوباما کے بارے میں بات کرتے ہوئے شاویز نے کہا کہ وہ اوباما انتظامیہ کے ساتھ تعلقات کے بارے میں زیادہ پرامید نہیں۔ شاویز نے اوباما کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے امریکی جنگ کو سامراجی جارحیت قرار دیا اور کہا کہ اوباما سامراجی صدر ہیں۔ وینزویلا کے صدر نے چین سے قبل ایران کا دورہ کیا۔ ایران میں قیام کے دوران انھوں نے ایران، وینزویلا مشترکہ ترقیاتی بینک کا افتتاح بھی کیا۔ انھوں نے یہ بھی پیشکش کی تھی کہ وہ کیوبا میں واقع گوانتاناموبے میں قید تمام افراد کو اپنے ملک میں بسانے کے لئے تیار ہیں۔ گوانتاناموبے کے امریکی حراستی مرکز میں اس وقت تقریباً ۲۴۰ افراد قید ہیں۔ جنوبی امریکہ اور عرب ممالک کے اجلاس میں انھوں نے یہ پیشکش کی تھی کہ وہ گوانتاناموبے میں قید افراد کو وینزویلا میں بسانے کیلئے تیار ہیں۔ انہیں انسانوں کو اپنے ملک میں جگہ دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ شاویز نے امریکہ کے مقابلے پر تجارتی اتحاد بھی تشکیل دیا تھا۔ ۲۰۰۷ء میں لاطینی امریکہ کے چار ممالک کے سوشلسٹ رہنماؤں نے امریکہ مخالف اتحاد کی تشکیل کے لئے بات چیت کی تھی۔

"Bolivarian Alternative for the Americas" نامی اتحاد کے رکن ممالک خطے میں تجارت پر امریکی اجارہ داری کا مقابلہ کرنے کی کوشش میں ہیں۔ مذکورہ اتحاد کو ہسپانوی زبان میں ALBA کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی تشکیل تین برس قبل ہیوگوشاویز اور کیوبا کے رہنما فیڈل کاسترو نے کی تھی۔ بعد میں اس گروپ میں بولیویا اور نکاراگوا بھی شامل ہوگئے۔ اس طرح رکن ممالک کی تعداد چار ہوگئی۔ یہ اتحاد امریکی اجارہ داری کو ختم کرنے اور ان کے مقابل تجارتی اجارہ داری کے فروغ کیلئے قائم کیا گیا۔ مذکورہ ممالک کے رہنما ایک سیاسی ہم آہنگی کے نمائندے ہیں۔ عالمگیریت، گلوبلائزیشن اور سرمایہ دارانہ نظام کے سخت مخالف ہیں اور انہیں یقین ہے کہ وہ اشتراکیت پر مبنی ایک متبادل نظام تشکیل دے سکتے ہیں۔ ان ممالک کے رہنماؤں کا موقف ہے کہ تجارت میں حکومتی دخل اندازی کے بغیر آزادانہ تجارت یا فری مارکیٹ میں آنے سے غریب ممالک کو نقصان ہورہا ہے۔

ہیوگوشاویز مختلف محاذوں پر امریکہ کیا مقابلہ کرنے کی سعی کررہے ہیں۔ وہ ایک غیر مسلم حکمراں ہونے کے باوجود مسلم حلقوں میں کافی مقبول ہیں۔ ایک بہادر، نڈر اور انقلابی حکمراں کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ شاویز نے امریکہ کے متعلق چین کے حالیہ تین روزہ دورے میں تنقید کی۔ وہ طویل المدتی عالمی دورے پر ہیں۔ چین کے علاوہ روس، پرتگال اور فرانس میں جانا بھی ان کے دورے کا حصہ ہے۔ چین ایک ابھرتی قومی عالمی سیاسی طاقت ہے۔ شاویز امریکہ کی بجائے چین پر انحصار کو بڑھانا چاہ رہے ہیں، چین ان کیلئے زیادہ قابل اعتبار بھی ہے۔ شاویز کا ماسکو کا دورہ بھی اسی لئے ترتیب دیا گیا ہے کہ روس اور وینزویلا کے درمیان تعلقات کو بڑھایا جاسکے۔ اس ماہ کے آغاز میں روس کے بمبار طیاروں نے وینزویلا کا دورہ بھی کیا اور جنوبی امریکی ساحل کے ساتھ پرواز بھی کی۔ روس وینزویلا میں مشترکہ بحری مشقیں بھی کرچکا ہے۔ شاویز جیسے رہنماؤں کا اتحاد نہ صرف دنیا کو امریکہ کی سامراجیت سے نجات دلا سکتا ہے بلکہ انہیں معاشی طور پر آزادی وخودمختاری بھی دلا سکتا ہے۔

●●

دعوت

۱۳ مئی ۲۰۰۹ء

نیپال کا بھارت مخالف پروپگنڈا

بھارت کی پڑوسی چھوٹی سی پہاڑی مملکت نیپال کے مستعفی وزیر اعظم الزام تراشیوں کا ایک طوفان برپا کیے ہوئے ہیں۔ انھوں نے بھارت کے خلاف سازشی الزامات کی ایک مہم چھیڑ رکھی ہے۔ وہ پوری قوت کے ساتھ شور مچا مچا کر کہہ رہے ہیں کہ بھارت ہمارے ملک میں ''گندا کھیل'' کھیل رہا ہے۔ نئی حکومت تشکیل دینے کے لئے نیپال کے ممبران پارلیمنٹ کی خرید وفروخت کر رہا ہے۔ نیپال میں ایک دہائی تک چلنے والی ''عوامی جنگ'' میں لاپتہ ہونے والوں کے اعزا واقربا کی طرف سے بلائے گئے ایک عوامی جلسے کو خطاب کرتے ہوئے سابق گوریلا لیڈر اور مستعفی وزیر اعظم پشپ کمل دہل پرچنڈ نے اپنے ملک کی پرانی پارٹیوں پر بھی لوگوں کی خرید وفروخت کے پرانے گندے کھیل کو پھر سے شروع کرنے کا الزام لگایا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ جن پارٹیوں کو عوام نے مسترد کر دیا اور شکست دے دی اور جو لیڈر شپ کی اہلیت نہیں رکھتیں انھوں نے اپنے ''بیرونی آقاؤں'' کی ہدایات پر یہ گندا کھیل شروع کر دیا ہے جیسا کہ انھوں نے نیپال نریش کے دور میں کیا تھا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اگرچہ پرچنڈ نے براہ راست بھارت کا نام نہیں لیا ہے لیکن بالکل صاف ظاہر ہے کہ ان کی مراد بھارت اور امریکہ ہیں کہ ان دونوں ''بیرونی طاقتوں'' پر ان کی پارٹی ایک عرصے سے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کے الزامات لگا رہی ہے۔ یاد رہے کہ پرچنڈ ۴ر مئی کو نیپال کے آرمی چیف کو ان کے عہدے سے معزول کرنے میں ناکام رہنے کے بعد خود اپنے عہدے سے استعفیٰ دے چکے ہیں۔ اس کے بعد سے ہی بھارت پر اس ڈرامے میں مشکوک رول ادا کرنے کا الزام لگا رہے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک سیاسی پارٹی کے لیڈر نے ان سے ملاقات کر کے بتایا ہے کہ ممبران پارلیمنٹ کی وفاداریاں خریدنے کے لئے کروڑوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ میرے ساتھیوں کو خریدا جا رہا ہے یہ ایک ہولناک صورتحال ہے۔ نیپال کے مستعفی وزیر اعظم نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کا استعفیٰ فوج کے اوپر سول بالادستی قائم رکھنے کی ان کی پارٹی کی جدوجہد کا حصہ ہے جس نے نیپال کی آزادی وخود مختاری کے معاملے میں بیرونی طاقتوں کی مداخلت کی کوشش کے خلاف ''میزائل'' جیسا کام کیا ہے۔ اس دوران ایک ماؤوادی روزنامے نے بھی بھارت مخالف پروپگنڈے میں شدت پیدا کر دی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ نئی دہلی کٹھمنڈو میں تعینات اپنے سفیر راکیش سود کو واپس بلانے کے لئے تیار تھی کہ وہ نیپال میں جس مشن پر بھیجے گئے ہیں اس کی تکمیل میں ناکام نظر آ رہے تھے اس سے ایک روز قبل روزنامہ نے لکھا کہ را کا ایک سینئر افسر کٹھمنڈو میں ڈیرا ڈال کر پارٹیوں کو نئی حکومت بنانے کیلئے ہدایات دے رہا ہے۔ نئے الزامات کا یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب یہ بات صاف ہوگئی کہ تقریباً دو درجن پارلیمنٹری پارٹیاں نیپال کے صدر رام برن یادو کے دیئے ہوئے وقت تک اتفاق رائے سے حکومت بنانے میں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے نیپال گزشتہ سال کی تاریخ دہرائے گا اور وہاں ۶۰۱ رکنی پارلیمنٹ کے لئے ایک ہی سال میں دوبارہ الیکشن ہوں گے۔ اس سے ایک روز قبل نیپال کے کارگزار وزیر اعظم نے جنھیں اپنی پارٹی کے دوبارہ اقتدار حاصل کر لینے کا یقین کی حد تک بھروسہ ہے کہا کہ وہ بیرونی دباؤ برداشت نہیں کریں گے اور یہ کہ وہ بھارت کے مساوی چین سے بھی تعلقات قائم کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ نیپال کے کچھ لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ بھارت نیپال تعلقات سے متعلق معاہدے سے نئی دہلی نامناسب فائدے حاصل کر رہی ہے۔ ہم ۱۹۵۰ء کے بھارت نیپال امن دوستی معاہدے کے طرز پر چین سے بھی ایک معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس کیلئے بیجنگ دورہ (جواب کینسل ہو چکا ہے) کے دوران بنیادیں تیار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ہم بھارت اور چین دونوں سے یکساں قسم کی دوستی چاہتے ہیں۔ ۵۵ سالہ کارگزار وزیر اعظم نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ وہ کبھی بھی بھارت کو چین کے خلاف یا چین کو بھارت کے خلاف استعمال نہیں کریں گے۔ بھارت کو اس طرح کے اندیشوں میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ ہم بھارت کے ساتھ ۱۹۵۰ء کے معاہدے جیسا ایک اور ملک سے بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۹۵۰ء کا معاہدہ جسے بھارت کے ساتھ نیپال کے تعلقات کیلئے ایک بنیاد قرار دیا جاتا ہے، نیپالی عوام کے جذبات واحساسات کی ترجمانی نہیں کرتا اس کی بجائے ہمارے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس معاہدے کے ذریعے ان کے ساتھ فریب کاری کی گئی ہے۔ یہ پوری طرح بھارت کے حق میں ہے۔ اپنی اس سب کچھ آتش فشانی کے باوجود انھوں نے ماؤوادیوں کے طویل عرصے سے جاری اس مطالبے پر لب کشائی نہیں کی کہ نیپالی گورکھاؤں کو بھارتی اور برطانوی فوجوں میں بھرتی کرنے کا عمل ختم کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ چین اور بھارت کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال نہ کرنے کے وعدے کے باوجود وہ عملاً یقیناً یہ سب کچھ کریں گے جیسا کہ نیپال میں بھارت کے خلاف الزامات وشکایات کے طرز سے ظاہر ہے، یوں بھی یہ معاہدہ بھارت کے خلاف ایک ردعمل کا نتیجہ ہوگا۔

طلباء کی کردار سازی پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے

سپریم کورٹ کی واضح ہدایات کے باوجود ملک کے عصری تعلیمی اداروں میں سینئر طلباء کے ذریعے جونیئر طلباء کی ریگنگ کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ نیا تعلیمی سال شروع ہوتے ہی ریگنگ کے واقعات منظر عام پر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ریگنگ کے نام پر سینئر طلباء کی طرف سے جس بدتمیزی اور بیہودگی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اس کا اندازہ ان تعلیمی اداروں سے دور رہنے والے اور اس ماحول سے ناواقف حضرات کے لئے ناممکن سی بات ہے۔ گو کہ اس کی ابتداء ہی باہمی تعارف اور اصول وضوابط اور روایات سے باخبری سے ہوئی تھی لیکن یہ اخلاقیات کی تمام حدود سے تجاوز کر چکی ہے۔ حالیہ چند برسوں میں اس کے نام پر جس طرح کے انسانیت سوز واقعات پیش آئے اور متعدد ہلاکتیں ہوئیں اس نے باشعور طبقے کو اس مسئلے پر سنجیدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ ریگنگ پر مکمل طور پر پابندی عائد کرنے کی بات زور وشور سے کی جانے لگی ہے لیکن باہمی تعارف کا بہانہ بنا کر اور مختلف وعدہ وعید کے ساتھ اسے باقی رکھنے کی کوشش کی گئی۔

وعدہ وعید اور متعدد ہدایات کے باوجود اس پر کس حد تک قابو پایا جا سکا اس کا اندازہ سپریم کورٹ کی ہدایت کے بعد وقوع پذیر واقعات کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ سرکاری اور عدالتی تگ ودو کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ریگنگ بدستور جاری ہے۔ گزشتہ دنوں ۸ر مارچ ۲۰۰۹ء کو ہماچل پردیش میں کانگڑا کے میڈیکل کالج میں سال اول کے طالب علم امن کاچرو کی ریگنگ کی وجہ سے موت ہوگئی۔ واقعہ کی تحقیق کرنے پر یہ حقیقت سامنے آئی کہ ریگنگ کرنے والے طلباء نشے میں تھے۔ ۱۸ر اپریل ۲۰۰۹ء کو احمد آباد کے سندھی انسٹی ٹیوٹ آف نرسنگ کی اٹھارہ سالہ طالبہ انکیتا ویگڈا نے ہاسٹل کی بلڈنگ سے کود کر جان دے دی۔ یہ طالبہ سینئر طالبات کی طرف سے مسلسل کی جانے والی ریگنگ سے پریشان تھی۔

۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء کے تعلیمی سال کے دوران جبکہ اس سے قبل سپریم کورٹ کی طرف سے واضح ہدایت دی جا چکی تھی، ریگنگ کے ۸۹ بڑے واقعات منظر عام پر آئے اور گیارہ طلباء کی موت ہوگئی۔ ان واقعات میں اکیس فیصد جنسی اور تراسی فیصد جسمانی اذیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ باقی دیگر نوعیت کے ہیں۔ اس سال جن تعلیمی اداروں میں ریگنگ کے واقعات ہوئے ان میں سب سے زیادہ انجینئرنگ کے تعلیمی ادارے ہیں۔ ان اداروں میں ۳۱ فی صد واقعات رونما ہوئے۔ اس کے بعد میڈیکل اداروں میں سترہ فیصد اور ۵۲ فیصد دیگر متفرق تعلیمی شعبوں سے تعلق رکھنے والے اداروں میں ہوئے۔

ریگنگ کے تازہ ترین واقعات کے پیش نظر یہ نتائج برآمد ہونے پر کہ اس کی وجہ طلباء میں نشے کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے تازہ فیصلے میں ہدایت دی ہے کہ سبھی ریاستیں تعلیمی اداروں میں نشہ خوری سے نجات دلانے والے اور نفسیاتی مشاورت کے ادارے قائم کریں۔ سپریم کورٹ نے ریگنگ پر قابو پانے کے لئے مستقل نگراں کے تقرر سمیت متعدد اقدامات کے تعلق سے بھی ہدایات دی ہیں۔

سپریم کورٹ کی اس سے قبل اور حالیہ دی گئی ہدایات پر کس حد تک عمل ہو پاتا ہے اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے اس کا اندازہ تو نفاذ کے بعد ہی ہو سکے گا۔ لیکن نشہ خوری کے علاوہ ریگنگ کی جو بنیادی وجہ ہے اور نشہ خوری کے بھی طلباء اس وجہ سے شکار ہوتے ہیں وہ ہے اخلاقی اقدار سے بے توجہی۔ موجودہ دور میں والدین ہوں یا عصری تعلیمی ادارے سب کی توجہ عصری علوم میں ہنرمندی اور بہتر مستقبل کے تحفظ پر ہی ہوتی ہے۔ طلباء اپنی فیلڈ میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے انسان بھی بنیں کیا اس کی طرف بھی توجہ دی جاتی ہے۔ والدین کے ساتھ عصری تعلیمی اداروں کو بھی اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

●●

امن کی راہ میں اسرائیل کی ایک اور رکاوٹ

محمد احمد کاظمی

امریکہ میں بارک حسین اوباما نے عہدۂ صدارت پر آنے کے بعد مسلم ممالک کو جو امن کا پیغام دیا تھا اس کا انجام وہی ہوا جس کی توقع کی جا رہی تھی۔ امریکی حکومت کے بارے میں نزدیک سے مشاہدہ کرنے والے ماہرین کی ہمیشہ یہ رائے رہتی ہے کہ وہاں کی حکومت ایسی کسی پالیسی پر عمل نہیں کر سکتی جو اسرائیل اور ملک کے اندر موجود اس کی حمایت کرنے والے صہیونی عناصر کو پسند نہ ہو۔

صدر بارک حسین اوباما نے العربیہ ٹی وی پر نشر کیے گئے انٹرویو کے دوران امریکہ کی سابقہ جارج بش کی حکومت کے دور میں مسلم ممالک اور امت مسلمہ سے پیدا ہوئی تلخیوں کو بھلانے کی بات کہی تھی اور انھوں نے اعتماد بحال رکھنے کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ انھوں نے انتخابی مہم کے دوران اور عہدۂ صدارت پر فائز ہونے کے بعد ایران سے براہ راست مذاکرات شروع کرنے کی تجویز رکھی تھی۔ اس کا ایران کے صدر محمود احمدی نژاد نے بھی مثبت جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ امریکہ کی جانب سے اس سلسلے میں اقدامات کے منتظر ہیں۔ لیکن اس دوران اسرائیل میں نئی حکومت بنجامن نیتن یاہو کی رہنمائی میں قائم ہوئی۔ وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو نے امریکی صدر بارک حسین اوباما کی جانب سے مسئلہ فلسطین پر پھر سے شروع ہونے والے مذاکرات میں شرکت کی اپیل کا جواب دیتے ہوئے یہ واضح طور پر کہہ دیا کہ اسرائیل امن مذاکرات میں اس وقت تک شریک نہیں ہوگا جب تک ایران کا ایٹمی پروگرام ختم نہیں ہوتا۔ یعنی امریکہ پہلے ایران کا ایٹمی پروگرام ملتوی کرائے اور اس کے بعد ہی اسرائیل مسئلہ فلسطین پر مذاکرات میں شریک ہوگا۔

یاد ہوگا کہ امریکہ کے سابق صدر جارج ڈبلیو بش نے اپنے دور حکومت میں ایران کا ایٹمی پروگرام بند کرانے کے لئے جنگ کی دھمکی سمیت تمام حربے استعمال کر لئے تھے۔ امریکی حکومت نے ایران کے خلاف مزید اقتصادی پابندیاں بھی لگائیں لیکن ان سب کے باوجود ایران حکومت نے نہ صرف اپنا ایٹمی پروگرام ترک نہیں کیا بلکہ اس میں تیزی سے کام آگے بڑھایا۔ اگر امریکہ جارج ڈبلیو بش کی بظاہر دنیا کی طاقتور ترین حکومت ایران کا ایٹمی پروگرام بند نہیں کرا سکی تو بارک حسین اوباما کی اقتصادی بحران سے دوچار حکومت سے ایران کیسے اپنے عزائم ترک کر سکتا ہے۔ البتہ ایران کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں بین الاقوامی ایٹمی توانائی سے متعلق ایجنسی اقوام متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی ادارے ابھی یہ ثابت نہیں کر سکے ہیں کہ ایران کا ایٹمی پروگرام بڑے پیمانے پر بربادی کرنے والے ہتھیار میں استعمال کرنے کے لئے ہے۔ ایران کا کہنا ہے کہ وہ ایٹمی توانائی کے ذریعے بجلی پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ اس کا ایٹمی پروگرام صرف پرامن استعمال کے لئے توانائی پیدا کرے گا۔ اسرائیل بھی ۲۰۰۶ء سے اب تک اپنے مخالفین کے ذریعے دوبار شکست کا منہ دیکھ چکا ہے۔ حزب اللہ نے ۲۰۰۶ء میں اسرائیل کی نام نہاد غیر معمولی طاقت والی فوج کو جس طرح شکست کا منہ دکھایا تھا وہ آج بھی اسرائیل اور اس کی حمایت کرنے والے امریکہ اور یورپی ممالک کو اچھی طرح یاد ہے۔ حال ہی میں اسرائیل نے غزہ پٹی میں فوجی کارروائی کے ذریعے سیکڑوں بے گناہوں کا قتل تو کر دیا لیکن حماس کو شکست دینے میں وہ ناکام رہا ہے۔ یعنی اس نے دنیا بھر میں نفسیاتی طور پر جس طرح سے پروپگنڈا کر کے اپنی فوجی طاقت کا رعب جما رکھا تھا اب وہ شبیہ بھی کمزور ہو چکی ہے۔

گزشتہ دنوں امریکہ کی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے اسرائیل کو متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اسرائیل نے ایران کے خلاف کوئی (فوجی) کارروائی کی تو اس کا خدشہ ہے کہ اسرائیل عرب ممالک سے ملنے والی حمایت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ گزشتہ چند برسوں سے امریکہ اور یورپ عرب ممالک کے خلاف ایران کے مبینہ خطرے کا پروپگنڈا کرتے رہے ہیں تا کہ عرب ممالک ایران کے خلاف اسرائیل کا تعاون کریں۔ ان چند برسوں میں بیشتر عرب ممالک کی حکومتیں فلسطینی بے گناہوں پر اسرائیلی مظالم پر خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں۔ ہلیری کلنٹن کے بیان سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عرب ممالک ایران کے خلاف اسرائیل کا تعاون کر رہے ہیں۔ البتہ ایران کی حکومت نے ۱۹۷۹ء میں برپا ہوئے اسلامی انقلاب کے بعد سے اب تک کسی بھی عرب ملک کو دھمکی یا کسی قسم کا سخت بیان نہیں دیا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ امریکہ، یورپ اور تمام بین الاقوامی اداروں کو ایران کے پرامن ایٹمی پروگرام کی تمام معلومات ہیں لیکن پھر بھی عرب ممالک کی اسرائیل کو حمایت دلانے کی غرض سے ایران کے ایٹمی پروگرام کو خطرناک بتایا جاتا رہا ہے۔ امریکہ کی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے اپریل کے آخری ہفتے میں پارلیمنٹ کو بتایا کہ تمام عرب ممالک نے انہیں واضح طور پر کہا ہے کہ ایران معاملے پر اگر اسرائیل عرب ممالک کی حمایت کا خواہاں ہے تو اسے مسئلہ فلسطین پر امن مذاکرات میں جلد شریک ہونا چاہئے۔ اسرائیل کی نئی حکومت کے قیام کے بعد وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو نے فلسطین کے ایک الگ ملک کے قیام کے نظریہ کی مخالفت کی ہے۔ اس سے پہلے کے وزیر اعظم ایہود اولمرٹ نے بھی یہی سخت رویہ اپنایا ہوا تھا۔ ادھر ایران کے صدر محمود احمدی نژاد نے گزشتہ دنوں جنیوا میں اقوام متحدہ کی ایک کانفرنس کے دوران کہا تھا کہ اسرائیل دنیا بھر میں بدترین نسل پرست ملک ہے۔ انھوں نے کہا تھا کہ یورپ میں نسل پرستی کے اقدامات کے نتیجے میں ہی فلسطین پر قبضہ کر کے نسل پرست اسرائیلی حکومت قائم کی گئی تھی۔ انھوں نے بعد میں ایران میں ایک بیان دیتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ اسرائیل مسلسل کمزوری کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس نسل پرست اور ظالم حکومت کا خاتمہ یقینی ہے۔ بہرحال امریکہ میں بارک حسین اوباما کے صدر کے طور پر منتخب ہونے کے بعد دنیا بھر میں اور خاص طور پر مسلم ممالک میں جو مثبت پیغام گیا تھا اس پر عمل کے امکانات کم ہی ہیں۔ امریکہ میں تین فیصد یہودی ہی امریکہ کے اکثر فیصلوں پر اثر انداز رہے ہیں۔ بارک حسین اوباما کے دور میں کوئی انقلابی تبدیلی کے امکان کم ہی ہیں۔ دنیا بھر کے ممالک کو امریکہ کی مجبوری کو دیکھ کر اس سے بڑی توقعات کئے بغیر خود فعال کردار ادا کرنا ہوگا تا کہ دنیا میں امن اور باہمی اعتماد بحال کیا جا سکے۔

●●

نئے سیاسی دوست کی تلاش

پانچ مرحلوں میں سے چار مرحلے کے انتخابات کی تکمیل کے بعد ملک کی تمام بڑی پارٹیوں نے اپنی ممکنہ ساتھی پارٹیاں تلاش کرنے کی مہم تیز کر دی ہے اور دوسری طرف چھوٹی پارٹیوں نے بھی مرکز میں حکومت بنانے کی غرض سے بڑی پارٹیوں کی حمایت کے لئے اپنے مطالبات میں اضافہ کر دیا ہے۔ قومی جمہوری اتحاد کی لیڈر بی جے پی کا کہنا ہے کہ وہ مرکز میں قومی جمہوری اتحاد حکومت کے لئے دوسری پارٹیوں سے گفت وشنید میں مصروف ہے جبکہ سماجوادی پارٹی نے مرکز میں کانگریس کی قیادت والی ترقی پسند اتحاد حکومت کی حمایت کے لئے سخت شرط رکھی ہے اور وہ ہے اترپردیش میں مایاوتی حکومت کی برطرفی۔

بی جے پی کے راج ناتھ سنگھ نے کہا کہ بی جے پی واحد سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھرے گی۔ اس لئے ہم دیگر پارٹیوں سے قومی جمہوری اتحاد میں شامل ہونے کی بات کر رہے ہیں۔ بہرحال راج ناتھ سنگھ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کن پارٹیوں سے بات کر رہے ہیں۔ سیاسی تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ اگر بی جے پی کانگریس سے زیادہ سیٹ حاصل کرتی ہے تو غالب امکانات ہیں کہ جے للتا کی سربراہی والی آل انڈیا انا ڈی ایم کے اور ممتا بنرجی کی ترنمول کانگریس قومی جمہوری اتحاد میں شامل ہو جائیں۔ مغربی بنگال میں کانگریس کے ساتھ مل کر لوک سبھا انتخابات لڑنے والی ترنمول کانگریس سے متعلق خبر ہے کہ وہ الیکشن کے آخری وقت میں راہل گاندھی کے بائیں بازو کی پارٹیوں کو منانے کے سلسلے میں ان سے ناراض ہیں۔

اگرچہ ممتا بنرجی نے واضح کیا کہ کانگریس کے ساتھ اس کا اتحاد برقرار ہے لیکن کانگریس کی بائیں بازو سے قربت آخر کار ترنمول کانگریس کے خلاف ہی ثابت ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر تیسرا محاذ الیکشن میں بری طرح ناکام ہوا تو بہوجن سماج پارٹی کے بھی این ڈی اے کی حمایت کو خارج از امکان نہیں قرار دیا جا سکتا۔ سماجوادی پارٹی کے سربراہ ملائم سنگھ یادو کا دعویٰ ہے کہ ان کی پارٹی اترپردیش میں واحد سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھرے گی اور کسی بھی نئی حکومت کی تشکیل میں اس پارٹی کی حمایت ناگزیر ہوگی لیکن ہم کبھی بھی حکومت کی حمایت اس شرط پر کریں گے کہ وہ اترپردیش سے بہوجن سماج پارٹی کی حکومت کو برطرف کرے۔ ۲۰۰۲ء میں سماجوادی پارٹی نے ۳۶ سیٹیں جیتی تھیں لیکن وہ حکمراں ترقی پسند اتحاد حکومت میں شامل نہیں ہوئی تھی۔ اب سماجوادی پارٹی کو ترقی پسند اتحاد کی دو ساتھی پارٹیاں راشٹریہ جنتا دل اور لوک جن شکتی پارٹی کی صورت میں دوست مل گئے ہیں اور ان تینوں نے مل کر چوتھے محاذ کا اعلان کیا ہے۔ سماجوادی پارٹی یہ جانتے ہوئے کہ کانگریس کو اکثریت نہیں حاصل ہوگی، کانگریس سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔

دوسری طرف کانگریس نے بھی بائیں بازو اور تیسرا محاذ کی ممبر پارٹیوں مثلاً تلگو دیشم پارٹی اور قومی جمہوری اتحاد میں شامل جنتا دل (متحدہ) کو اتحاد کا اشارہ دے دیا ہے۔ راہل گاندھی نے اپنی ایک پریس کانفرنس میں بہار کے وزیر اعلیٰ اور جنتا دل (متحدہ) کے سربراہ نتیش کمار کی جم کر تعریف کی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ بائیں بازو کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ انھوں نے تیلگو دیشم پارٹی کے سربراہ چندرا بابو نائیڈو اور نتیش کمار کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں پورا یقین ہے کہ بایاں بازو منموہن حکومت کی حمایت کرے گا۔

●●

جنگی قوانین کی پاسداری

بین الاقوامی تنظیم انٹرنیشنل کمیٹی آف ریڈ کراس نے کہا ہے کہ صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں میں جاری مسلح تصادم میں فریقین جنگی قوانین کی پاسداری کریں اور شہریوں کے تحفظ کے ہر ممکن اقدامات کریں۔ یہ بات پاکستان میں آئی سی آر سی کے سربراہ پاسکل کیوتا نے ایک بیان میں کہی۔ آئی سی آر سی مسلح تصادم میں شامل تمام فریقین سے بین الاقوامی انسانی قوانین کی پاسداری بالخصوص عام شہریوں کے تحفظ کے ہر ممکن اقدامات کا مطالبہ کرتی ہے۔

آئی سی آر سی نے خبردار کیا ہے کہ صوبہ سرحد میں انسانی بحران شدت اختیار کر رہا ہے اور اطلاعات کے مطابق سوات، دیر اور بونیر سے حالیہ دنوں میں پانچ لاکھ افراد نقل مکانی کر چکے ہیں۔ پاسکل کیوتا نے کہا کہ لڑائی کے باعث نقل مکانی کرنے والے افراد کو بنیادی ضروریات بشمول خوراک، پانی، رہائش اور طبی سہولیات کے حصول کا حق حاصل ہے۔ آئی سی آر سی جیسے انسان دوست اداروں کو متاثرہ آبادی تک محفوظ اور بلا رکاوٹ رسائی دی جانی چاہئے۔ بیان کے مطابق صوبہ سرحد میں آئی سی آر سی کی سرگرمیوں کے انچارج بینو کوٹر کا کہنا ہے کہ غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے لڑائی سے شدید ترین متاثرہ علاقے ہماری رسائی سے باہر ہو گئے ہیں۔ تاہم ہم نقل مکانی کرنے والے مزید افراد کی امداد اور متاثرہ علاقوں تک جلد از جلد رسائی دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بیان کے مطابق تا حال آئی سی آر سی اور ہلال احمر پاکستان ایک لاکھ بیس ہزار نقل مکانی کرنے والے افراد کو خوراک و دیگر امدادی سامان فراہم کر رہے ہیں۔ آئی سی آر سی ممکنہ طور پر تیس ہزار افراد کو طبی امداد بھی دے سکتی ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ حال ہی میں اس نے پشاور میں جنگ سے متاثرہ علاقوں سے زخمی آنے والوں کے لئے سرجیکل ہسپتال کا افتتاح بھی کیا ہے اور اس کی گنجائش ساٹھ بستروں سے بڑھا کر سو بستروں تک کی جا رہی ہے۔ آئی سی آر سی تیمر گرہ، مردان اور سوات کے ہسپتالوں سے بھی روزانہ رابطے میں رہی ہے تا کہ ان کی ضروریات کا اندازہ ہو سکے اور مدد فراہم کی جائے۔ آئی سی آر سی پاکستان کے صوبہ سرحد میں ۲۰۰۸ء سے اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کرتی رہی ہے تا کہ پاکستان کی افواج اور مسلح مخالف گروہوں کے مابین جاری لڑائی سے متاثرین کی بڑھتی ہوئی تعداد کی مدد کی جائے۔ لڑائی سے قبل آئی سی آر سی صوبہ سرحد میں اس کی معاون ہلال احمر پاکستان کے ساتھ مل کر اور اس کے علاوہ بھی ایک لاکھ لوگوں کی امداد جاری رکھے ہوئے تھی۔

واضح رہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایک بیان میں کہا تھا کہ اس وقت پاکستان کو نقل مکانی کے شدید بحران کا سامنا ہے۔ ایک طرف دیر میں آپریشن سے نقل مکانی کرنے والے ہزاروں افراد ہیں تو دوسری طرف سوات اور پاکستان کے قبائلی علاقوں سے نقل مکانی کرنے والے ہزاروں افراد ہیں جو کہ کیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

●●

فکر معاصر

مایوسی کا علاج

موجودہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام جن لوگوں کا بنایا ہوا ہے وہی پارلیمانی جمہوری انتخابی نظام کے بھی خالق ہیں۔ یہ جو لوک سبھا کے انتخابات میں پولنگ (یعنی ووٹ ڈالنے) کی جانب سے پورے ملک میں ایک طرح کی عمومی بیزاری نظر آتی ہے اس کا سبب وہی مایوسی ہے جو عالمی اقتصادی بحران کے نتائج کی پیداکردہ ہے یعنی یہ خیال کہ کچھ بھی اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ ہوگا وہی جو کٹھ پتلی کی ڈور کھینچنے والے چاہیں گے۔ حالات میں تبدیلی کی جانب سے یہی عوامی بیزاری اور مایوسی ان کو مطلوب بھی ہے جو دنیا کا اقتصادی وسیاسی نظام چلا رہے ہیں۔ گزشتہ پندرہ سولہ مہینوں کے درمیان مندی یا کساد بازاری (Recession) کی اصطلاح پوری دنیا میں مشہور ہوچکی ہے۔ آخر یہ ہے کیا؟ اور اس کا موجودہ انتخابی بیزاری یا ووٹروں کی مایوسی سے کیا تعلق ہے؟ لیکن اس سے پہلے ہم آپ کو یہ بتا دیں کہ محض کساد بازاری کی وجہ سے 'عالم پیر کی موت' کی پیشین گوئی کرنا درست نہیں۔ ہمارا یہ خیال شاید درست نہیں کہ یہ 'مندی' سرمایہ دارانہ نظام کی موت کی علامت ہے کیونکہ یہ مندی کی صورتحال اسی 'عالم پیر' یعنی سامراجی سرمایہ دارانہ نظام ہی کی پیداکردہ ہے۔ جن لوگوں نے ۱۹۳۰ء کے گریٹ ڈپریشن کا اسکرپٹ لکھا ان ہی کے بنائے ہوئے سامراجی اسکول کے پروردہ لوگوں نے ۲۰۰۸ء کی مندی کا منظرنامہ بھی تحریر کیا ہے۔ لہٰذا جس طرح سامراج نے ۱۹۳۰ء کے گریٹ ڈپریشن کا فائدہ اٹھا کر نئی توانائی حاصل کی تھی اسی طرح ۲۰۰۸ء کی عالمی مندی بھی سامراجی سرمایہ داری نظام کو نئی طاقت فراہم کر رہی ہے۔ ۱۹۳۰ء اور ۲۰۰۹ء میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے پر بلاسودی نظام کا نام آرہا ہے جو اسلامی اقتصادی نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ بے شک بلاسودی اسلامی معاشی نظام ہی دنیا کے موجودہ معاشی مسائل کا حل ہے، لیکن یہ بات تو صرف ہم کہہ رہے ہیں اور بہت تھوڑے سے غیر متعصب غیر مسلم ماہرین بھی بلاسودی نظام کی باتیں کر رہے ہیں لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم ہے۔ سامراجی سرمایہ داری نظام تو موجودہ بدحالی کو اپنی بقا کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت 'گروپ ۲۰' اور اس کی دو حالیہ میٹنگیں ہیں جن میں دوسری جنگ عظیم کے بعد سامراج کے بنائے ہوئے بریٹن ووڈ اداروں (ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف) کی جگہ 'نئے سامراجی اداروں' کے قیام کی باتیں ہورہی ہیں۔ گروپ ۲۰ کی کسی میٹنگ میں یہ نہیں کہا گیا کہ نئے اداروں کی بنیاد بلاسودی اسلامی اقتصادی نظام پر رکھی جائیں گی اور بقول میخائل گورباچوف گروپ ۲۰ سے ایک طرف تو مصر، نائیجیریا اور ایران جیسے افریقہ اور مغربی ایشیا کے اہم ملکوں کو باہر رکھا گیا ہے اور دوسری طرف خود گروپ ۲۰ کو اقوام متحدہ اور اس کی سلامتی کونسل کے متوازی یا اس سے بلند درجہ دیئے جانے کے اشارے دیئے جارہے ہیں۔ اب آیئے کساد بازاری کی تعریف پر، یہ اس اقتصادی صورتحال کا نام ہے جب صنعتی اور تجارتی سرگرمیوں میں کمی آجائے، پیداوار گھٹ جائے اور چھٹنی کی وجہ سے بیروزگاری میں اچانک اضافہ ہونے لگے۔ دراصل یہ بیروزگاری ہے جس کا اثر براہ راست عوام پر پڑتا ہے، لیکن اگر بینک، انشورنس کمپنیاں، 'کار' فیکٹریاں' وغیرہ کیے بعد دیگرے دیوالیہ ہونے لگتے ہیں تو اس کا بنیادی ذمہ دار تو ان کے مالکان ہوتے ہیں جس کا اولین مقصد زیادہ سے زیادہ 'سود' کمانا ہوتا ہے اور اس صورتحال میں کٹھ پتلیوں کی ڈور تھامنے والے سرمایہ داروں کا کچھ نہیں بگڑتا وہی تو فی الواقع حقیقی فائدے میں ہوتے ہیں اور اپنے 'خزانے' میں سے 'بیل آؤٹ پلان' کی خیرات بانٹ کر ان رواجی اندھوں کا کردار ادا کرتے ہیں جو ریوڑیاں بھی اپنوں ہی کو بانٹتے ہیں، لہٰذا اس وقت سمجھنے کی باتیں دو ہیں۔ دنیا میں رائج اقتصادی اور سیاسی نظام جن کے بنائے ہوئے ہیں انہی کے کنٹرول میں بھی ہیں اور دنیا میں ہر سطح پر "مایوسی" پھیلانا ہی ان کا نصب العین ہے اور اس کیلئے وہ معاشی اور سیاسی نظاموں کے ساتھ معاشرتی نظام کو بھی جی بھر کے استعمال کرتے ہیں۔ وہ مایوسی اسی لئے پھیلاتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جانا کفر ہے اور جہاں کفر ہے وہاں اسلام نہیں ہوتا اور جہاں اسلام ہی نہ ہوگا وہاں بلاسودی نظام کیسے آئے گا؟

(اردو ٹائمز، ممبئی)

پروپگنڈا، ذرائع ابلاغ اور مسلمان

عبدالحنان سیوانی ندوی
جدہ، سعودی عربیہ

کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جو مسلسل ہوتے رہتے ہیں لیکن کسی کو اس کا احساس نہیں ہو پاتا، یا احساس تو ہوتا ہے لیکن اس کی تہہ تک پہنچنا عام آدمی کے بس میں نہیں ہوتا، وہ یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہی سچ ہے۔ اگر کسی شخص نے وجہ جاننے کی کوشش کی تو اسے بڑی مشکلوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ ثابت کرنا کہ جو کچھ پیش کیا جارہا ہے وہ کس حد تک غلط ہے آسان کام نہیں ہوتا، اور پھر جہاں خبریں سیکنڈوں میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچانے کے لئے بڑے بڑے آلات ہوں تو ایسی حالت میں کوئی سچائی کیوں سنے اور کیسے ان پر یقین کرے۔

کچھ ایسی ہی صورتحال اس وقت اقوام عالم میں مسلمانوں کے ساتھ ہورہی ہے۔ نائن الیون سے قبل دہشت گردی کی اصطلاح نہ مقبول تھی اور نہ ہی ہر خاص وعام کو اس کے لب لباب سے واقفیت تھی۔ نائن الیون کیسے ہوا؟ ایک ایسا راز ہے جس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے صدیوں لگیں گے۔ اگر نبیوں کے ظہور کا زمانہ ہوتا تو شاید مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے پھر کسی گائے کے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر اس پر مارنے کا حکم دیا جاتا اور یوں نائن الیون کا راز کھل جاتا۔ عراق اور افغانستان حملوں کی زد سے بچ جاتے اور دہشت گردی کی اصطلاح بھی زور نہ پکڑتی۔ لیکن اب کیا ہوسکتا ہے، نبوت آخر النبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوچکی ہے۔ اس لئے ایسے کسی حکم کے آنے کی امید تو نہیں کی جاسکتی، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوگا تو یہ راز کھلے گا یا نہیں یہ تو اس وقت کی نسل ہی بتائے گی، البتہ ہندوستان میں صدیوں سے نجومی کا کام کرنے والے اور دوسروں کا مستقبل بتانے والے اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہرحال نائن الیون ایک بار ہوا، صرف دو ٹاور گرے، جو لوگ اس حملے میں مارے گئے یقیناً وہ بے گناہ تھے اور اسلام میں بے گناہوں کو نشانہ بنانے کی اجازت نہیں۔ اس حادثے کے بعد سے امریکہ پرسکون ہے، البتہ مسلم دنیا خاک وخون میں لوٹ پوٹ رہی ہے اور ایسا کرنے کے لئے دہشت گردی کی اصطلاح کا سہارا لیا گیا، دہشت گردی تو اتنی نہیں پھیلی البتہ دہشت گردی کی اصطلاح خوب پھلی پھولی اور خوب پروان چڑھی، اب تو دہشت گردی کا مطلب سمجھنا اتنا آسان ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس کی تاریخ بتا سکتا ہے، یعنی دہشت گردی مطلب "نائن الیون" اور دہشت گرد مطلب "مسلمان"، اب ایسا کہنا غلط ہے یا صحیح دنیا کو سمجھاتے رہئے، موجودہ وزیراعظم منموہن سنگھ بھی کچھ ایسی ہی باتیں وقفہ وقفہ سے کرتے رہتے ہیں، لیکن کون سنتا ہے۔ اب مسلمان دہشت گرد ہیں تو کوئی کیا کرے، جیل تو جائیں گے ہی اور اگر نہیں ہیں تو ثبوت دیجئے، وہ ثبوت ڈاکٹر منموہن سنگھ کے پاس بھی نہیں ہے۔ ایسے ہی موقع کے لئے کہا جاتا ہے کہ "کچھ مسلمان دہشت گرد ہیں اور ان چند لوگوں کی وجہ سے پوری قوم کو بدنام نہیں کیا جاسکتا"۔

ویسے دہشت گرد بھی بہت ہیں، ان کی شہریت بھی مختلف ہے اور دہشت گرد تنظیمیں بھی مختلف ہیں لیکن نام صرف مسلمان کا ہی آتا ہے، خود ہندوستان میں ہر کام میں مسلمانوں کا ہی نام آتا ہے۔ ایک بات بڑی عجیب وغریب ہے کہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں ہیں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، بہت سے حقوق انہیں اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ وہ اقلیت میں ہیں اور بہت سے حقوق اس لئے چھین لئے جاتے ہیں کہ ان کی حیثیت اقلیت کی سی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ ہندوستان میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ انہیں لوٹا جاتا ہے، مارا جاتا ہے، عزتیں پامال کی جاتی ہیں، جیلوں میں ڈالا جاتا ہے اور ان پر کوئی آنسو بہانے والا نہیں ہوتا۔ وجہ صاف ہے کہ چونکہ مسلمان دہشت گرد ہیں، اب چاہے پوری قوم ہو یا نہ ہو، لیکن کچھ تو ہیں تو ان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ ان پروپگنڈوں کا کتنا اثر ہوتا ہے، گزشتہ دنوں واضح ہوچکا ہے۔ جب سپریم کورٹ کے ایک معزز جج یہ کہتے ہوئے پائے گئے کہ وہ ہندوستان میں طالبانائزیشن کی اجازت نہیں دے سکتے، یہ بھی بڑی حیرت کی بات ہے کہ ان سے یہ سوال پوچھا ہی نہیں گیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان طالبان بننا چاہتے ہیں انہیں اس کی اجازت دی جائے، بلکہ مقدمہ کچھ اور تھا اور اس پر فیصلے کے ساتھ ساتھ کچھ اور کہہ دیا گیا۔ اب ذرائع ابلاغ کو کیا چاہئے تھا، بات بہت ہی اہم تھی، یہی ان کا موضوع تھا اور چونکہ بات جمہوریت کے اہم ستون سے نکلی تھی اور بہت ہی اہم شخصیت نے اس پر زبان کھولی تھی تو ظاہر ہے اس پر کچھ کہنا اور ساتھ ہی ساتھ نمک مرچ لگانے میں کیا حرج تھا تو معاملے پر خوب شور مچا، اصل مقدمہ پر نہ عدالت میں بحث ہوئی اور نہ ہی ذرائع ابلاغ میں۔ پروپگنڈے سے اردو اہل قلم بھی نہ بچ سکے اور انھوں نے بھی مسلمانوں پر اور علماء پر خوب لن ترانی کی، بعض اردوداں حضرات کچھ زیادہ ہی تجاوز کر گئے اور انھوں نے علماء کے ساتھ ساتھ ان کے افراد خاندان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، بہت سوں نے خود اس طالب علم محمد سلیم کو ہی کوسا، اسے ہی کہا جاتا ہے پروپگنڈہ، کہ بات کچھ اور تھی اور بحث کچھ اور ہورہی تھی اور جب سپریم کورٹ کی معزز، تعلیم یافتہ شخصیت اس طرح کے پروپگنڈے سے محفوظ نہ رہ سکی تو پھر عام آدمی کے بارے میں کچھ کہنا ہی فضول ہے۔

گزشتہ دنوں مجھے کسی شخص نے ای میل بھیجا، جس میں اس شخص نے یہ بتانے کی کوشش کی کہ کس طریقے سے مغربی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں اور اس کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں اور کس طریقے سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جرائم کی دنیا میں صرف اور صرف مسلمان ہی شامل ہیں، کچھ مثالیں سپرد ہیں تاکہ ان حالات کا علم ہو جن تک عموماً رسائی ممکن نہیں۔

ایسی خبریں جن کا تعلق مسلمانوں سے ہے اسے کس انداز میں پیش کیا جاتا ہے پہلے اس کی ایک جھلک نیچے ملاحظہ فرمایئے۔ ایک باپ جو اتفاق سے مسلم ہے اپنی بیٹی کا قتل اس لئے کردیتا ہے کہ وہ یعنی اس کی بیٹی بوائے فرینڈ رکھتی ہے، باپ کا اپنی بیٹی کو قتل کرنا آج کی دنیا کے لئے کوئی حیران کن بات نہیں، دنیا میں اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، لیکن چونکہ باپ مسلمان ہے اس لئے اس خبر کو کیسے پیش کیا جاتا ہے: "ایک "مسلم" نے غیرت میں آکر اپنی بیٹی کا خون اس لئے کردیا کہ وہ بوائے فرینڈ رکھتی تھی"۔

(Times online,30 September 2003, by Lewis Smith)

"ایک مسلم شوہر نے مغربی طرز اختیار کرنے کی وجہ سے اپنی بیوی اور بچوں کا قتل کردیا"۔

(The Independent,21 Feb.2007,by Ian Herbert)

"ایک مذہبی مسلم باپ نے اپنی بیٹی کا قتل کردیا"۔ (Live Leak Dec. 12-2007)

مذکورہ خبریں صرف عنوان ہیں، تفصیل سے خبریں دیتے ہوئے لفظ "مسلم" کا خاص ذکر ہوتا ہے۔

اب مذکورہ واقعات سے ملتی جلتی ان خبروں کو ملاحظہ فرمایئے جن کا تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے یا دوسرے لفظوں میں وہ مسلمان نہیں ہیں۔

"باپ نے اپنی بیٹی کا قتل کردیا"۔

(Guardian.co.uk, The Observer Nov.2006 by Lorna Martin)

"تیرہ مہینے کی بچی کے قتل کے الزام میں باپ گرفتار" NYC November 5,2007)

"ماں کو پریشان کرنے کی وجہ سے باپ نے اپنے بیٹے کا قتل کردیا"۔

(Info Niac.com,23 Aug.2007)

"پولیس کے مطابق ایک شخص نے اپنی بیوی اور دو بچوں کا قتل کردیا"۔

(Pittsburgh Tribune Review.July 11,2008)

"ایک شخص جس نے اپنی بیوی کا قتل کیا وہ کورٹ کی تحویل میں تھا"۔ (The Star Ledger, June 28,2008)

"اووا میں رہنے والے شخص نے اپنی بیوی اور چار بچوں کو قتل کرنے کے بعد خود کو بھی ختم کرلیا"۔ (USA Today, 2008)

مذکورہ واقعات صرف عناوین ہیں، خبروں کو تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے بھی کہیں یہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ مرنے اور مارنے والا عیسائی ہے یا یہودی ہے یا اور کوئی مذہب کا ماننے والا ہے۔

مذکورہ دونوں واقعات کا تقابلی مطالعہ کیجئے آپ کو پتہ چلے گا کہ کس طریقے سے اور کتنی چالاکی سے ذرائع ابلاغ نے لفظ "مسلم" کا استعمال کرکے مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

دہشت گردی کے واقعات کو کس طرح پیش کیا جاتا ہے اسے بھی ایک نظر ملاحظہ فرمایئے۔

وکی آنسرس (Wiki Answers)

ایک سائٹ ہے، اپنے قارئین سے ایک سوال پوچھتی ہے، سوال ہے: "۱۹۶۰ء سے لے کر اب تک کتنے امریکی 'اسلامک' دہشت گردی میں مارے گئے"۔

"ایک مسلم دہشت گرد چھاپے کے دوران مارا گیا"۔ (Telegraph.co.uk.2-7-2000)

"اسلامک دہشت گرد نے یروشلم میں ایک بس پر حملہ کیا"۔

"ہندوستان کے بھیانک دہشت گردانہ حملے میں ایک "مسلم" بمبار مجرم قرار دیا گیا"۔ (اے ایف پی، ستمبر ۲۰۰۶ء)

اب ایسی ہی خبروں کا دوسرا پہلو بھی دیکھئے جس میں مسلمان شامل نہیں ہیں۔

"سری لنکا میں دوڑ کے ایک مقابلے کے دوران ہوئے خودکش حملے میں تیرہ حکام اور دوسرے افراد مارے گئے"۔

(Reuters)

"سری لنکا میں ایک پولیس افسر بمبار کے حملے میں مارا گیا"۔ (دی ایسوسی ایٹ پریس، ۱۶ رجون ۲۰۰۸ء)

یہ چند مثالیں تھیں جو پیش کی گئیں، ورنہ ہر روز اس طرح کی خبریں اور نیوز نشر ہوتی ہیں، پیش کی جاتی ہیں تو ظاہر ہے کہ جب اتنی چیخ وپکار کی جائے گی تو لامحالہ ایک شخص یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ دال میں کچھ تو کالا ہے ہی ورنہ لوگ بے وقوف ہیں کیا جو مسلمانوں کو اور اسلام کو دہشت گردی سے جوڑیں گے۔ ایسے پروپگنڈے ہر روز اخبارات ذرائع ابلاغ میں ہوتے رہتے ہیں۔ اب آپ یہ ثابت کرتے رہئے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ ایک سائٹ ہے جس کا نام "اسلامک ٹیررزم ڈاٹ ورڈپریس" ہے۔

اس سائٹ میں آپ کو تفصیل سے یہ بات مل جائے گی کہ اسلام کیسے دہشت گرد مذہب ہے، مسلمان کیسے دہشت گرد بنتے ہیں اور اسے کیسے ختم کیا جاسکتا ہے، کتنے مسلم دہشت گردوں نے ہندوؤں کو قتل کیا، کتنے مسلم بادشاہوں نے ہندوؤں کو لوٹا۔ سائٹ کھلتے ہی، سب سے پہلی چیز جو آپ کے سامنے آئے گی وہ یہ ہے کہ "اسلام کو پہچانو، دہشت گردی کو پہچانو، اسلام نہیں، دہشت گردی نہیں"۔ اب ایسے حالات میں سچ اور جھوٹ کی تمیز کیسے ہوگی؟ اور حالات کا کیسے مقابلہ ہوگا یہ مسلمانوں کے سامنے ایک اہم سوال ہے۔ ویسے انہی حالات سے نمٹنے کے لئے بہت سے ٹی وی چینل وجود میں آئے ہیں۔ اس میں الجزیرہ کا عربک اور انگلش چینل بہت حد تک اس کا مداوا کر رہا ہے اس کے باوجود پروپگنڈوں کی ان تیز آندھیوں میں یہ ایک اکیلا چینل کہاں تک سچائی سامنے لائے گا اس سلسلے میں بڑی محنت، اخلاص، پیسہ اور اچھے کام کرنے والے افراد کی ضرورت ہے جو سنگین سے سنگین حالات میں صبر اور متوازن خبروں کے ساتھ اس اہم کام کو انجام دیں سکیں۔ ●●

افغانستان کو مزید فوج بھیجنا مشکل ہوگا: گیٹس

واشنگٹن۔ امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے کہا ہے کہ وہ افغانستان میں امریکی فوج کی تعداد میں مزید اضافے کی درخواست کرتے ہوئے ہچکچائیں گے۔ گیٹس نے سی این این کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ان اکیس ہزار امریکی فوجیوں کے علاوہ، جن کی صدر بارک اوباما پہلے ہی منظوری دے چکے ہیں، افغانستان کو مزید امریکی فوجیں بھیجنا سیاسی طور پر مشکل ہوگا۔

افغانستان میں ناٹو کی فوجوں کے ساتھ اور امریکہ کے زیر قیادت ایک اتحاد میں پہلے ہی امریکہ کے چالیس ہزار فوجی طالبان کی بڑھتی ہوئی بغاوت کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ گیٹس نے کہا ہے کہ جب امریکہ اور اس کے اتحادی اپنی اپنی تمام مزید فوجوں کو افغانستان بھیج دیں گے تو اس ملک میں بین الاقوامی افواج کی نفری تقریباً ایک لاکھ ہوجائے گی۔

انھوں نے کہا کہ سوویت یونین نے جب افغانستان پر قبضہ کیا تھا تو اس نے ۱۹۸۹ء میں فوجوں کی واپسی سے پہلے، اپنی تقریباً ایک لاکھ دس ہزار فوج کو ایک عشرے تک وہاں تعینات رکھا تھا۔ گیٹس نے کہا ہے کہ سوویت تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ فوج کی تعداد میں اضافہ کرکے افغانستان کو مستحکم نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے کہا کہ افغانستان کی سیکورٹی فورسز کو لازماً طاقتور بنانا ہوگا، تاکہ افغانستان کے لوگ قیام امن کیلئے طالبان کی بجائے خود اپنی فوج پر بھروسہ کرسکیں۔ ●●

ہسپتالوں کے نظام میں اصلاح پر بھی توجہ ضروری ہے

عارف عزیز، بھوپال

ایک طرف ملک کی آبادی دن بدن بڑھ رہی ہے دوسری جانب صحت عامہ کے شعبہ سے سرکار کی توجہ کم ہونے سے عام لوگوں کی دوا وعلاج پر حکومتوں کے بجٹ چھوٹے ہورہے ہیں، آج جو سرکاری اسپتال کام کر رہے ہیں ان کے عملے کا حال تو اس سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ وہ غریبوں وکمزوروں کا علاج کرنا کسر شان سمجھتے ہیں، صاحب حیثیت لوگ ان کی مراد پوری کرسکتے ہیں اس لئے وہ ان کے علاج پر توجہ دیتے ہیں، ملک کے پرائیویٹ اسپتالوں میں مریضوں کے علاج سے زیادہ ایسے طریقے آزمائے جاتے ہیں کہ اسپتال چلانے والوں کو زیادہ سے زیادہ آمدنی ہو خواہ اس کے لئے مریض کا علاج مؤخر کرنا پڑے، اس کے مرض کو بڑھایا جائے یا اس کو زیادہ سے زیادہ مدت اسپتال میں روکے رکھنے کے لئے دوسرے طریقے آزمائے جائیں۔ اس کے علاوہ سرکاری ونجی اسپتال یا نرسنگ ہوم میں آئے دن ڈاکٹروں، نرسوں اور اسپتال کے دوسرے ملازموں کی مجرمانہ غفلت وکوتاہی کے واقعات مریضوں کی غیر فطری موت کا باعث بن رہے ہیں، وہ بھی ایک تشویشناک پہلو ہے، ان وجوہ نے علاج ومعالجے کے میدان کو جو ایک مقدس پیشہ سمجھا جاتا تھا غیر انسانی اور غیر اخلاق بنا دیا ہے۔ کبھی کسی اسپتال سے ڈاکٹروں کا ایک پورا گروپ کڈنی ریکٹ میں پکڑا جاتا ہے تو کبھی اسپتال کے ملازموں کی مدد وتعاون سے نوزائیدہ بچہ کو بدلنے یا چوری کرنے کی واردات سامنے آتی ہے۔ غلط انجکشن لگا کر مریض کو موت کا شکار بنا دینا، آپریشن کرتے وقت پیٹ میں قینچی یا کپڑا چھوڑ دینا، ایک آنکھ کی جگہ دوسری کا آپریشن کردینا تو عام بات ہے۔

سرکاری اسپتالوں میں ایک اور لعنت یہ پھل پھول رہی ہے کہ جس مریض کو علاج کے لئے ڈاکٹر کے گھر پر دکھایا جاتا ہے اس کو اسپتال میں ڈاکٹر کے جونیئر ہی دیکھتے اور اس کا علاج کرتے ہیں۔ اگر یہ موجود نہیں یا چھٹی پر چلے گئے تو پھر سمجھ لیجئے کہ مریض لاوارث حالت میں پڑا رہے گا، خواہ اس کی جان پر ہی کیوں نہ بن جائے کیونکہ دوسرا ڈاکٹر اس کا علاج تو کیا اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ کسی زمانے میں نرس کو مریض احترام کے ساتھ سسٹر کہہ کر پکارتے تھے مگر آج کے ماحول میں نرسوں کی یہ روایتی شبیہ بھی مسخ ہوگئی ہے جس سے ان کے حوالے اپنے مریض کو چھوڑ دینے میں لوگوں کو خوف محسوس ہوتا ہے۔

محکمہ صحت انسانی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے لیکن ہندوستان میں صحت کی خدمات کا جو حال نظر آرہا ہے اس میں مرض کے قابو سے باہر ہونے پر ہی مریض سرکاری ہیلتھ مرکز یا اسپتال کا رخ کرتا ہے، روبہ زوال اس صورتحال کے باوجود مریض نیز اس کے اہل وعیال کو یہ امید ہوتی ہے کہ ڈاکٹر اور نرسوں سے اسے معقول علاج نہ بھی فراہم ہو پھر بھی کم ازکم وہ محفوظ تو رہے گا لیکن بعض مستثنیات کو چھوڑ کر بیشتر بڑے اسپتالوں سے لے کر ضلع کے سول اسپتال تک ڈاکٹر سے لے کر نرس تک سبھی ملازمین اوپر کی آمدنی بڑھانے کی فکر میں مصروف ہیں اور اس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملتی تو وہ مریض یا اس کے گھر والوں سے بدسلوکی پر اتر آتے ہیں اور اس کا نتیجہ ان کے درمیان لڑائی جھگڑے کی صورت میں اکثر ظاہر ہوتا ہے۔ اس ماحول وفضا میں مرکزی حکومت کی طرف سے تین ہزار کروڑ روپے کے دیہی صحت مشن منصوبہ، گاؤں دیہات کے مریضوں کو کیسے صحتمند بنائے گا، یہ سوال لوگوں کے ذہن میں پیدا ہونا فطری ہے۔ اگر اس پہل کو حکومت ہند حقیقی طور پر عام لوگوں کیلئے کارگر بنانا چاہتی ہے تو پہلے اسپتالوں کی بدتر حالت اور ملازموں کی غیر ذمہ داری کے رویے پر محکمہ صحت قابو پائے۔ جب تک حکومت اور اسپتال کا انتظامیہ اپنی ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے ملازموں کے خلاف سخت اور فوری کارروائی نہیں کرے گا، اس وقت تک دواؤں کی خرید وفروخت میں بدعنوانی، انسانی اعضاء کا غیر قانونی کاروبار اور مریضوں سے بدسلوکی کے واقعات اخبارات کی سرخیاں بنتے رہیں گے۔ ●●

برما میں روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار

عالمی افق پر جدھر بھی نظر دوڑائیں سینے پر "امن کے تمغے" سجائے عالمی دہشت گرد ہی خون کی ہولی کھیلتے نظر آتے ہیں۔ بنگشا مورو (فلپائن کے زیر قبضہ مسلم علاقہ) سے لے کر چیچنیا وصومالیہ تک ہر طرف مسلم خون بے رحمی سے بہایا جارہا ہے۔ طاغوت کی خفیہ قاتل تنظیموں نے مشرق وسطیٰ، چیچنیا، افریقہ کے بعض ممالک میں دہشت گردی کا میدان سجایا ہوا ہے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ ان کی ہر دہشت گردی کو مجاہدین کے سر تھوپ کر انہیں دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ذیل کی سطور میں ماہ رفتہ میں طاغوتی قوتوں کی دہشت گردی اور مظلوموں کی مظلومیت کے چند مناظر پیش کیے جارہے ہیں۔

عالمی نقشے پر برما (میانمار) کی جنوب مغربی ریاست اراکان ۱۷۸۴ء تک ایک آزاد مسلم سلطنت تھی۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں اسے راخائن (یا راکائن) کا نام دے دیا گیا۔ اراکان کے نام سے معروف ہونے سے قبل یہ علاقہ "روہنگ، روشنگ، راخائن پرے، راخاپورہ، وھنیاوادی" کے ناموں سے بھی مختلف زمانوں میں پکارا جاتا رہا ہے۔ برطانوی دور حکومت میں اس کا رقبہ بیس ہزار مربع میل تھا جو اب کم ہو کر ۱۴۲۰۰ مربع میل رہ چکا ہے۔ بنگلہ دیش کے ساتھ اس کی ۱۷۶ میل لمبی سرحد ہے۔ ۷۰ فیصد زمین پہاڑوں اور جنگلات پر مشتمل ہے۔ آبادی چالیس تا پچاس لاکھ ہے۔ بڑے نسلی گروہوں میں روہنگیا، راخائن اور مگھ بودھ شامل ہیں۔ برما کی پانچ کروڑ آبادی میں مسلمان ۸۰ لاکھ کے قریب ہیں اور ان میں ۳۵ لاکھ روہنگیا مسلمان ہیں جن کی اکثریت اراکان میں رہتی ہے۔ روہنگیا مسلمان کسی ایک نسلی گروہ سے وجود میں نہیں آئے بلکہ ان کے اسلاف میں عرب، افغانی، ایرانی، ترک اور بنگالی شامل ہیں۔

۱۷۸۴ء میں برمی بادشاہ بودھ پھیہ نے اراکان پر قبضہ کرکے مسلمانوں کے جس قتل عام کو شروع کیا، اس میں وقفے ضرور آئے مگر وہ ہنوز رکا نہیں۔ بودھ پھیہ کی فوج نے مساجد اور مدارس کو شہید کر ڈالا اور لائبریریوں کو جلا دیا۔ ۱۷۸۴ء تا ۱۸۲۴ء کے چالیس سالوں میں برمی مظالم سے تنگ آکر کم وبیش دو لاکھ روہنگیا مسلمانوں نے بنگال میں پناہ لی جو اس وقت کل آبادی کا دو تہائی تھے۔ ۱۹۶۲ء میں برما میں فوج نے اقتدار سنبھال لیا۔ اس فوجی حکومت نے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف ظلم وسفا کی کا بدترین سلسلہ شروع کردیا۔

اراکان میں بزنس نیٹ ورک میں بڑا حصہ مسلمانوں کا تھا۔ فوجی جنتا نے ان کے خلاف اکنامک کریک ڈاؤن شروع کیا۔ ۱۹۶۴ء میں مسلمانوں کی تمام رفاہی، معاشرتی اور کلچرل تنظیموں پر پابندی لگا دی گئی۔ فوجی حکومت سے پہلے روہنگیا مسلمانوں کو برما کے شہری تسلیم کرلیا گیا تھا، پارلیمنٹ اور کابینہ میں ان کے نمائندے موجود تھے مگر فوجی جنتا نے مسلمانوں کو ان کے سیاسی حقوق سے محروم کردیا۔ ۱۹۸۲ء میں نسلی امتیاز پر مبنی شہریت کا قانون نافذ ہوا اور اس قانون کے تحت روہنگیا مسلمان غیر ملکی قرار دیے گئے۔ مسلمانوں نے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد شروع کی، مسلح گروپ بھی وجود میں آئے، برمی حکومت نے مسلمانوں سے معاہدے بھی کئے مگر ہر معاہدہ توڑ دیا۔

اس وقت روہنگیا مسلمان دنیا کی سب سے زیادہ مظلوم کمیونٹی ہیں۔ اسلامی کانفرنس سمیت دنیا کا کوئی عالمی فورم ان کی حمایت میں آواز بلند نہیں کر رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بے چارے فلسطینیوں سے بھی زیادہ مظلوم ہیں۔ انہیں بدترین غیر انسانی قوانین کا سامنا ہے۔ حکومتی اجازت اور بھاری فیس کی ادائیگی کے بغیر وہ اپنے قریب کسی دوسرے گاؤں تک نہیں جاسکتے۔ میڈیکل ایمرجنسی میں بھی وہ ایسا نہیں کرسکتے۔ اگر کوئی مہمان آجائے تو اس کی بھی رجسٹریشن کروانی پڑتی ہے بصورت دیگر بھاری جرمانہ اور دوسری سزائیں بھگتنی پڑتی ہیں۔ بغیر رجسٹریشن کے پالتو پرندے تک نہیں رکھ سکتے۔ روہنگیا بیوہ کو دوسری شادی کے لئے کم ازکم تین سال انتظار کرنا پڑتا ہے۔ شادی کرنے والے جوڑوں کو چار حکومتی ایجنسیوں سے اجازت لینی پڑتی ہے اور حلف نامہ دینا ہوتا ہے کہ وہ تین سے زیادہ بچے پیدا نہیں کریں گے۔ بھاری فیس اور رشوت کے باوجود اجازت کے حصول میں

باقی صفحہ ۸ پر

مغرب میں اسلامی بینکنگ کا چلن

ریاض حق

مغربی مذاہب نے اسلامی دنیا کی جانب مفاہمت کے عمل کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک اہم قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ویٹی کن سٹی کے اخبار "Osservatore Roamano" نے اسلامی سرمایہ کاری نظام کی افادیت کی بھرپور حمایت کی ہے۔ اخبار کا کہنا ہے کہ تمام بینکوں کو یہ چاہئے کہ وہ اسلامی سرمایہ کاری کے تمام اصولوں کا مطالعہ کریں اور ان کو لاگو کرنے کی جانب توجہ دیں اور اس کے ذریعے اپنے تمام گاہکوں کا اعتماد جیتنے کی بھرپور کوشش کریں اور موجودہ عالمی اقتصادی بحران کو حل کرنے میں اہم پیش رفت کریں۔ اخبار کے مطابق ''وہ تمام اخلاقی قوانین جن کے اوپر اسلامی سرمایہ کاری اپنے تمام خدوخال وضع کرتی ہے، ان کے ذریعے تمام بینک اپنے گاہکوں کے مزید نزدیک آسکتے ہیں اور ان کے درمیان وہ جذبہ پیدا ہوسکتا ہے جو کسی بھی اقتصادی ادارے کی ترقی کے لئے ضروری ہے''۔ اس کا مزید کہنا تھا کہ ''مغربی بینک کئی قسم کی نئی مراعات بھی متعارف کراسکتے ہیں جن میں اسلامی بانڈ جن کو سکوک کہا جاتا ہے، بھی شامل ہوں''۔ آرٹیکل کے مطابق اس بانڈ کو لندن میں منعقد ہونے والی اگلی اولمپکس گیمز میں گاڑیوں کی انڈسٹری میں فنڈنگ میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ویٹی کن کا یہ آرٹیکل ان بہت سارے مضامین میں سے ایک ہے جو اسی موضوع پر شائع ہوئے ہیں جن کے مطابق مغربی حکومتوں اور بینکاروں نے اسلامی سرمایہ کاری کو قبول کرنا شروع کردیا ہے۔ نہ صرف انھوں نے اس کو قبول کرنے کا عندیہ دیا ہے بلکہ اس کو خوش آمدید بھی کہا ہے گو کہ انہیں یہ قدم بے نام قوتوں کے دباؤ تلے آ کر اٹھانا پڑا ہے۔

گزشتہ دسمبر میں، فرانس کی سینٹ نے ان تمام قانونی پیچیدگیوں کا جائزہ لیا جن کے ذریعے اسلامی اقتصادی نظام کو فرانس میں رائج کرنے میں مسائل درپیش آسکتے ہیں اور اس کے علاوہ ان کمپنیوں کے پیرس اسٹاک مارکیٹ میں شامل کرنے کے طریقہ کار پر بھی غور کیا گیا جو اس نظام کے تحت چلنا چاہتی ہیں۔ سینٹ کے ذرائع کے مطابق اس نظام کے تحت چلنے والے تمام ادارے مارکیٹ میں پانچ سو سے چھ سوبلین ڈالر تک کی سرمایہ کاری کریں گے اور یہ سالانہ اوسط گیارہ فیصد بڑھے گی۔ فرانس کی فنانس منسٹر کرسٹین لیگارڈ نے اپنی حکومت کے اس فیصلے کا اعلان کیا ہے کہ وہ پیرس کو ''اسلامک فنانس کا دارالحکومت'' بنائیں گے اور اس کے علاوہ ۲۰۰۹ء میں کئی اسلامی بینک اپنی شاخیں فرانس کے دارالخلافہ میں کھولیں گے۔

نومبر ۲۰۰۶ء میں ایک ویڈیو منظر عام پر آئی جو فرانس کی کئی ویب سائٹس کی زینت بنی۔ اس کے مطابق فرانس کی فنانس منسٹر مادام لیگارڈ نے چہرے پر موجود واضح شرمندگی کے ساتھ اس امر کا اعلان کیا کہ فرانس میں اسلامی بینکنگ کا نظام عمل میں لایا جارہا ہے۔ کیا یہ عمل قانونی ہے یا نہیں، یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں کیونکہ یورپین ممالک نے اپنے قوانین کو تبدیل کرکے اسلام کو مفاہمت کے ساتھ لانے کی کوشش کی ہے۔ اگر کوئی ''مقدس'' قانون چرچ اور ریاست کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرسکتا ہے تو پھر مغرب میں کوئی بھی قانون لاگو ہوسکتا ہے اور اس میں کوئی دورائے نہیں۔ اس ویڈیو میں، جس کی آواز کچھ کم ہے، وزیر کو اضطراب کی سی کیفیت میں دیکھا جاسکتا ہے جیسا کہ وہ خود کو خوشگوار انداز میں پیش کرنے کی کوشش کررہی ہیں، لیکن دراصل وہ کچھ بے چین ہیں۔ اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے ایک مقبول فرانسیسی کالم نگار کا کہنا تھا کہ ''بینکاری کی دنیا میں ایک نیا انقلاب وقوع پذیر ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ لندن کے بعد، جہاں پہلا اسلامی بینک ستمبر ۲۰۰۴ء میں کھلا تھا، اب فرانس کے بینکوں کو یہ طاقت دے سکتا ہے کہ وہ ۲۰۰۹ء تک اپنے بینکاری نظام میں شریعہ کے قوانین نافذ کرسکے۔ فرانس اور عرب چیمبر آف کامرس کے صدر ہاروے ڈی چیرٹ نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ فرانس میں اسلامی بینکنگ کو درآمد کرنے سے ایک دوسرے کے قریب آنے کا سلسلہ مزید تیز ہوگا لیکن اس نظام کو نافذ کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ وہ یہ مفروضہ ہے کہ اسلامی بینکنگ بنیاد پرستوں کے ساتھ منسلک ہے، جس سے اقتصادی دہشت گردی ہونے کا خدشہ ہے، جبکہ یہ بات بے بنیاد ہے''۔

عالمی اقتصادی بحران نے تمام کھیل کو ہی الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ نیویارک سے لے کر ہانگ کانگ تک تمام فنانشیل مراکز گلف میں موجود تیل کی دولت سے مالا مال اربوں ڈالر کو سمیٹے ہوئے حکمرانوں کو اپنی گاہکی میں لینے کے لئے بے تاب ہیں۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کرسٹین لیگارڈ نے اسلامک بینکنگ کا دوسرے فرنچ فورم پر افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم فرانس کو اسلامک فنانس کا دارالحکومت بنانا چاہتے ہیں''۔ لیکن بہرحال اس کے ساتھ ہی یہ نکتہ کسی طور پر نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ فرانس نے اسلامی بینکنگ کو اپنی جانب راغب کرنے کے لئے موجودہ عالمی اقتصادی بحران سے بہت پہلے ہی کاوشیں شروع کررکھی تھیں جن کا بظاہر مقصد اقتصادی دنیا میں مختلف تہذیبوں کو کچھ یوں ملانا تھا کہ کسی تعصب اور مسائل کے بغیر ایک دوسرے کے قریب آ کر عالمگیریت کو صحیح معنوں میں پروان چڑھایا جاسکے اور اس الزام کا قلع قمع کیا جاسکے کہ ''گلوبلائزیشن'' درحقیقت مغربی تہذیب کو دنیا کے اوپر مسلط کرنے کی ایک جامع منصوبہ بندی ہے۔

●●

صومالی قزاقی اور مسلم مغرب تعلقات

ہادی امر/عریج نور

آٹھ اپریل کی صبح کو صومالیہ کے ساحل سے ۳۰۰ میل دور گہرے سمندر میں ایک سامان بردار بحری جہاز میرسک الباما، جس پر امریکی جھنڈا لہرا رہا تھا، کو صومالی قزاقوں نے اغوا کرلیا۔ افریقہ جانے والے اس جہاز پر امریکی حکومت کی طرف سے بھیجی گئی غذائی امداد لدی ہوئی تھی۔

لیکن آخر کار جہاز اور اس کا عملہ بحفاظت بچ نکلا جب کہ جہاز کے کپتان رچرڈ فلپس کو قزاقوں نے یرغمال بنالیا اور انہیں لے کر ایک چھوٹی کشتی پر فرار ہوگئے۔ لیکن بعد ازاں امریکی بحریہ نے کارروائی کرتے ہوئے قزاقوں کو مار کر رچرڈ کو بازیاب کرلیا۔

بس، کہانی ختم، نہیں، صومالیہ کی سمندری حدود میں بحری لوٹ مار کا یہ پہلا واقعہ نہیں اور نہ ہی آخری ہے۔ گزشتہ دسمبر میں قزاقوں نے سعودی عرب کا ایک تیل بردار جہاز اغوا کیا تھا جس پر دس کروڑ ڈالر مالیت کا تیل لدا ہوا تھا۔ جہاز کو چھڑانے کے لئے تین لاکھ ڈالر تاوان ادا کرنا پڑا۔

حالیہ برسوں میں بحری قزاقی میں بلا کی تیزی آئی ہے اور صرف ۲۰۰۸ء میں ہی سو سے زائد واقعات درج کئے گئے ہیں۔ اس سال صورتحال اور بھی خطرناک اور ۲۰۰۹ء کے ابتدائی چند ماہ میں ہی انٹرنیشنل میری ٹائم بیورو نے اس قسم کے ۷۰ حملوں کی تصدیق کی ہے جب کہ اس وقت جہازوں کے عملے کے کم وبیش ۲۰۰ ارکان صومالی قزاقوں کے قبضے میں ہیں جن میں ایشیائی، عرب اور مشرقی یورپ کی قومیتوں کے افراد شامل ہیں۔

قزاق صومالیہ کے مقامی معاشرے میں اپنے حملوں کو یہ کہہ کر برحق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ غیر ملکی بحری جہاز صومالیہ کے پانیوں میں غیر قانونی طور پر مچھلیاں پکڑنے اور زہریلا فضلہ پھینکنے آتے ہیں۔

اس بحری لوٹ مار سے عالمی اقتصادیات بالخصوص خلیجی ریاستوں، امریکہ اور یورپ کی معیشت کو جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ بے پناہ ہے۔ صومالیہ کے ساحلوں کے ساتھ لوٹ مار سے نہ صرف بحری جہازوں کا بیمہ کرانے کی لاگت زیادہ ہوگئی ہے بلکہ اس اہم تجارتی راستے سے لے جائی جانے والی اشیاء کی قیمت بھی بڑھ گئی ہے۔

اس بحری راستے سے ہر سال کم ازکم بیس ہزار بحری جہاز ہر طرح کا سامان لے کر گزرتے ہیں جب کہ تیل کی سات فیصد عالمی نقل وحرکت بھی انہی پانیوں سے ہوتی ہے۔ لوٹ مار میں اضافے کے بعد قزاقوں اور بیمہ کے بھاری اخراجات سے بچنے کے لئے بہت سے جہاز اب سارے افریقہ کا چکر کاٹ کر جانے لگے ہیں۔ راستہ تبدیل کرنے سے مصر کی معیشت خاص طور پر بہت متاثر ہوئی ہے۔

صومالیہ کے سمندروں میں لوٹ مار کے سدباب کے لئے اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے سخت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے گزشتہ دسمبر میں قرارداد ۱۸۵۱ منظور کی تھی جس کے تحت رکن ممالک کو صومالیہ کی عارضی حکومت کی رضامندی سے قزاقوں کا تعاقب کرنے اور انہیں پکڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ رچرڈ فلپس کے معاملے میں امریکی بحریہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

اس کے علاوہ ناٹو اور قزاقی کے خلاف کام کرنے والی دیگر قوتوں کو صومالیہ کے پانیوں کی طرف روانہ کیا گیا۔ یہ سمندری علاقہ ۶۶ لاکھ مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے اور ٹیکساس کی ریاست سے دس گنا بڑا ہے۔

ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ القاعدہ کے لیڈر اسامہ بن لادن نے پچھلے مہینے ایک صوتی پیغام میں صومالی معاشرے میں موجود دہشت گرد گروہوں سے نئی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کو کہا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ صومالی قزاقوں اور القاعدہ جیسے عالمی دہشت گرد گروہوں کے درمیان کوئی ٹھوس اور حقیقی تعلق ثابت نہیں ہوا لیکن بہرحال مشرقی افریقہ کے شورش زدہ خطے میں قزاقوں اور دہشت گردوں کے عالمی نیٹ ورک کے درمیان گٹھ جوڑ کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

گہرے پانیوں میں لوٹ مار ہمیشہ خشکی پر موجود پرانے اور سنگین مسائل کی علامت ہوتی ہے۔ اس لئے سمندر میں سیکورٹی کا انتظام مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی برادری کو ان بنیادی مسائل پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے جن میں صومالیہ ایک طویل عرصے سے گھرا ہوا ہے، ان میں بہتر اسلوب حکمرانی کا فقدان اور اقتصادی انحطاط سرفہرست ہیں۔

اگر باقی افریقہ کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو بھی پچھلی دو دہائیوں سے صومالیہ ان ممالک میں شامل ہے جو سب سے زیادہ غربت اور بدنظمی کا شکار ہیں۔ یہاں فی کس سالانہ پیداوار چند سو ڈالر سے زیادہ نہیں ہے جو اتنی کم ہے کہ اس کا تخمینہ لگانا بھی ایک مشکل کام ہے اور طویل عرصے تک یہ ملک طوائف الملوکی کا شکار تھا جو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی ختم ہوئی ہے۔

اس مہینے کے شروع میں ہمیں دوحہ میں عرب لیگ کے اجلاس کے بعد صومالیہ کے وزیر خارجہ محمد عبداللہ عمر سے نجی طور پر گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ اس ملاقات سے ہم نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ تھا کہ بین الاقوامی برادری بالخصوص امریکہ، عرب دنیا اور یورپ کے پاس یہ موقع ہے کہ وہ صومالیہ میں تقریباً بیس سال سے جاری کشمکش کو ختم کرنے میں مدد دے کر بحری لوٹ مار کے اس طاعون کا علاج کریں۔ ایسا کرنے کے لئے سب سے پہلے صومالیہ کی نئی حکومت کو سیاسی اور مالی امداد دینی چاہئے اور جنوری میں جبوتی میں شروع کئے گئے امن عمل میں شامل کرنا چاہئے۔ اس میں صومالیہ کی سیکورٹی کے انتظام میں مدد کرنا بھی شامل ہے۔

دوسرے نمبر پر صومالی عوام کا معیار زندگی بلند کرنے اور نوجوان نسل کو غربت اور قزاقی سے خوشحالی کی طرف لے جانے کے لئے بھرپور امداد دی جائے۔ تیسری اور آخری بات یہ کہ صومالیہ کے پانیوں میں غیر قانونی ماہی گیری اور زہریلا فضلہ ٹھکانے لگانے کا عمل ختم کرنے کو یقینی بنایا جائے۔ اس سے مقامی معاشرے میں بحری لوٹ مار کے حق میں پیش کیا جانے والا جواز ختم ہوجائے گا۔ اس سارے عمل کے ساتھ کثیر ملکی بحری فوج کی تعیناتی بھی جاری رہنی چاہئے۔

فوجی کارروائیوں کے ابھی تک کوئی ٹھوس نتائج برآمد نہیں ہوئے اور یہ ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ ایک مزید جامع تزویراتی لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، دنیائے عرب اور یورپ کے پاس یہ منفرد موقع ہے کہ وہ ان مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور ایک ایسی دوررس حکمت عملی اپنائیں جو صومالیہ کی نئی حکومت کو بااختیار بنانے اور بحری لوٹ مار کی تباہ کاریوں کا موثر طریقے سے خاتمہ کرے اور ایسا کرتے ہوئے بین الاقوامی تعاون کی نئی مثالیں قائم کرے۔

●●

بقیہ: تاریخ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا

ناٹو کے جوان اپنی وردیوں پر بنے ہوئے خصوصی پرچموں کے نشان اُتار کر وہاں ترکی کے پرچم والا بیج چسپاں کردیتے ہیں تاکہ وہ مسلمان شمار کئے جائیں اور طالبان کے حملوں سے بچ جائیں کیونکہ ترک مسلمان فوجی عسکری شب خون مارنے کی کتربیونیت میں حصہ دار نہیں اس لئے جنگجو مسلمان بھائیوں کے ساتھ مڈبھیڑ نہیں کرتے۔ افغانستان کی بارہ فیصد آبادی ترک نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ عدم تحفظ کا شکار بزدل خائن اور فاسق وفاجر امریکی فرانسیسی اور برطانوی فوجی اپنی جانوں کے تحفظ کے لئے ترک جھنڈوں کو استعمال کررہی ہے۔ کیا ایسی فوجیں کبھی فتح کا لباس زیب تن کرسکتی ہیں؟ اوباما کو دنیا میں امن وسکون شانتی عدل ومساوات کے لئے صدر منتخب کیا گیا تھا مگر اپنے اقتدار کے سو روز پورے کرنے کے باوجود وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکے جس سے مسلم دنیا کی اضطرابی کیفیت کا خاتمہ ہوسکے۔ اوبامہ اور ان کے یہودی سرپرستوں اور صہیونی ساہوکاروں کا افغانستان میں فتح کا خواب کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے عالم اسلام اور مغرب کے درمیان رنجشوں کی وسیع خلیج کو کم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اوبامہ ریڈ کپلنگ کی بصیرت افروز شاعری پر مغز ماری فرمائیں اور تاریخ سے سبق حاصل کرتے ہوئے افغانستان کی آزادی کو بحال کردیں اور جلد از جلد ناٹو کو واپس پلٹنے کا ہنگامی اعلان کریں ورنہ ہوسکتا ہے کہ اس مرتبہ کوئی ایک ولیم نامی گوراسپاہی زندہ نہ رہے۔ یہ تاریخ کا درس ہے جو کسی بش بلیئر یا اوبامہ کی وجہ سے نہیں بدلا کرتا۔ خلیل جبران نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ تاریخ انسانی خواہشات سے بالاتر ہوکر صرف سچ کی روشنی میں اپنے فیصلے صادر کرتی ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ امریکہ معرکہ کابل ہار چکا ہے۔

●●

امریکی خارجہ پالیسی اور مسلم ممالک

خالد مصطفی

موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں امریکی خارجہ پالیسی کو دیکھا جائے تو یہ بات بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ یہ پالیسی غیر مسلم ممالک بالخصوص یورپی ممالک کے لئے منصفانہ اور پرامن ہے اور مسلم ممالک بالخصوص ایشیائی ممالک کے لئے غیر منصفانہ اور پرتشدد ہے۔

امریکہ، یورپ کے غیر مسلم ممالک کی حکومتوں کو مختلف بحرانوں سے دوچار کرنے کی کوشش نہیں کرتا خواہ ان ممالک میں مسلم ممالک یا غیر مسلم ممالک میں مختلف جرائم کے مرتکب افراد رہائش اختیار کئے ہوئے ہوں یا ان ممالک کی لوٹی ہوئی دولت غیر قانونی طریقوں سے وہاں منتقل کی ہوئی ہو۔ مسلم ممالک میں خاص مقاصد کے حصول کے لئے امریکہ کو انصاف کی فکر دامن گیر رہتی ہے اور امن کے قیام کے لئے بہت زور دیتا ہے۔ اپنی حکومت کے اعلیٰ عہدیدار بھی بھیجتا ہے اور بوقت سیاسی وعلاقائی ضرورت فوجی بھی۔ امریکہ اپنے مقاصد (درحقیقت مذموم مقاصد) کے حصول کے لئے جو کچھ مسلم ممالک خاص طور پر ایشیائی ممالک میں براہ راست یا بالواسطہ اپنے حکومتی وغیر حکومتی حلیفوں کے ذریعے کررہا ہے۔

اس کو ثابت کرنے کے لئے خاص دلائل، شہادتوں اور ثبوتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف سوڈان، شام، لبنان، صومالیہ، ایتھوپیا، عراق، افغانستان کے موجودہ حالات پر توجہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ سورج جب طلوع ہوجاتا ہے تو کسی کا یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ امریکہ دنیا میں انصاف وامن قائم کررہا ہے اور دہشت گردی کا خاتمہ چاہتا ہے۔

صاحب علم لوگوں کی رائے ہے کہ آج امریکہ کی خارجہ پالیسی منصفانہ و پرامن ہوجائے تو دنیا سے دہشت گردی بہت بڑی حد تک ختم ہوجائے۔

ان باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ دہشت گردی کے واقعات مسلم ممالک ہی میں کیوں زیادہ ہورہے ہیں؟ کسی مسلم ملک میں جاری بحرانوں یا سیاسی عدم استحکام سے کسی بڑے ملک کو فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ دہشت گردی کے عالمی واقعات میں مسلم افراد کو مختلف سازشوں میں ملوث کرنا، کس ملک کے فائدے میں ہے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کو کون سا ملک اور کیوں طول دے رہا ہے؟

امریکہ نے اگر عراق میں انصاف اور قیام امن کے لئے مخلصانہ وعملاً کوششیں کی ہوتیں تو آج عراق میں انصاف بھی ہوتا اور امن بھی قائم ہوچکا ہوتا۔ امریکہ کی خارجہ پالیسی کا ایک منصوبے کے تحت متاثر کردہ مسلم ممالک میں انصاف کی فراہمی اور امن کے قیام سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اس لئے ان ممالک میں انصاف وامن کی موجودہ صورتحال سب کے سامنے ہے۔

عراق کے بعد افغانستان میں بھی انصاف کی فراہمی اور امن کے قیام کا امریکہ صرف دعویٰ کرسکتا ہے لیکن عملاً ثابت نہیں کرسکتا۔ امریکہ کی خارجہ پالیسی کی وجہ سے نہ صرف امریکیوں کا بلکہ کئی دوسرے ممالک کے لوگوں کا ناحق خون بہہ رہا ہے اس میں عراقی، افغانی اور پاکستانی بھی شامل ہیں، اس خون ناحق کو ایک دن رنگ ضرور دکھانا ہے۔ امریکہ کی موجودہ خارجہ پالیسی کو دیکھتے ہوئے مسلم ممالک کو بھی چاہئے کہ اپنے اعتماد کو نئے خطوط پر استوار کرکے مثالی بنائیں اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی مسلم ممالک میں موجود فوجیوں کی واپسی کے لئے عالمی وملکی سطحوں پر مخلصانہ عملی کوششوں کو فروغ دے کر دنیا میں حقیقی انصاف وامن کے قیام کی راہ ہموار کریں۔

●●

بقیہ: اس ملت کے افراد...

کے شعبدوں کا سہارا لینے لگتے ہیں۔ پرانے رئیس اپنے عشرت کدوں میں پڑے قارون کے خزانے لٹا رہے ہیں۔ نئے دولتئے بلکہ چھٹ بھیئے ہیلی کاپٹروں میں بارات لے جانے کے تماشے کررہے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ اللہ کی عطا کردہ عقل ودانش کا استعمال کرتے۔ ایجوکیشن کے پرائیویٹائزیشن اور کمرشیلائزیشن کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے اس میدان میں سرمایہ کاری کرتے خود بھی دولت کماتے اور فرزندان ملت کو بھی ترقی کی منزلوں پر گامزن ہونے میں مدد کرتے۔

●●

خطوط ومسائل

حقوق العباد اور ملت اسلامیہ کی غفلت

دعوت کے ۲۲ راپریل ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں جناب فہیم الدین صاحب ناگپور کا مضمون ''کیا یہ اسلامی معاشرہ کی تصویر ہے'' پڑھ کر شدید رنج وملال ہوا۔ ملت اسلامیہ کی یہ تصویر یقیناً نہایت درجہ افسوسناک ہے۔ فی زمانہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں جس میں تعلیم یافتہ وغیر تعلیم یافتہ دونوں ہی شامل ہیں اس خطرناک بیماری کے جان لیوا جراثیم کا پایا جانا عام بات ہے۔ حق تلفی، پڑوسی کے حقوق، عدل وانصاف وحق گوئی کا شدید فقدان ہے۔ دین اسلام میں ترکہ، حقوق العباد اور پڑوسی کے حقوق کی تعلیم کتنی شدت سے دی گئی ہے اس سے تو شاید ہی کوئی ناواقف ہو لیکن دنیا کے تھوڑے سے حقیر فائدہ کی خاطر بعض موقع پرست بے حیائی وبے شرمی سے حقداروں کا مال ہڑپ کرتے اور ایسے ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں کہ بیان کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور ستم یہ کہ اسے عین ہنرمندی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں۔ ترکہ میں بھائی بہنوں کو محروم کرنا، پڑوسیوں کو ہر ممکن طریقے سے تکلیف پہنچانا، تجارت ولین دین میں دھوکہ دینا، جھوٹی قسمیں کھانا، سودی لین دین، مکروفریب، اور فرائض سے غفلت عام بات ہوگئی ہے۔ جماعت اسلامی ہند جو اکثر وبیشتر ملک کے سلگتے مسائل پر ملک گیر مہمات چلاتی ہے، اسے اس اہم ترین موضوع پر جو فی زمانہ شدت اختیار کرچکا ہے، ملک گیر مہم بڑے پیمانے پر وقفہ وقفہ سے مسلسل چلانا چاہئے تاکہ ان بے حیا لوگوں کو ندامت ہو۔

محمد ذاکر شکر کوٹھہ، حیدرآباد-۲

مسجدوں میں ریڈنگ روم اور لائبریری کا بھی نظم ہو

ہمارے رسول محمدؐ کی مسجد نبوی اس زمانہ کی نہ صرف نماز کی جگہ تھی بلکہ کالج، اسکول مدرسہ، نزول آفس تحصیل آفس میونسپل آفس اور عدالت بھی تھی۔ سیرت نبویؐ کے مطالعہ سے جو معاملات وواقعات آج ان آفیسز میں ہورہے ہیں۔ وہ سب مسجد نبوی میں ہوئے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ آج کام کی توسیع کی وجہ سے ہم نے مختلف دفاتر بنالئے ہیں اور مسجد سے نکل گئے ہیں لیکن جو کام جائز طریقہ پر وہاں ہوسکتے ہیں اور جن سے ہمارا زبردست بھلا ہوسکتا ہے ہم وہ بھی وہاں انجام نہیں دے رہے ہیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے۔ آج ملت کیا پوری دنیا یک زبان ہوکر کہہ رہی ہے کہ مسلمانوں کی پسماندگی کا واحد سبب تعلیم کی کمی یا دوری ہے لیکن اس کا آسان علاج کہ طلباء میں گھر پر پڑھنے کا شوق وذوق ہو، کوئی نہیں سوچتا۔

ہر محلّہ میں گاؤں گاؤں دیہات دیہات ۲-۳ مساجد ہیں۔ ہزاروں کیا لاکھوں کی لاگت سے شاندار تعمیر ہوئی ہے پانی، وضو، غسل وضروریات کا معقول وبہتر انتظام ہے۔ ہر مسجد کو وسیع دالان اور بیرونی جانب چبوترے بنے ہیں۔ (اصحاب صفہ کالج یہی تھا) استعمال دیکھئے تو بس ۲۴ گھنٹوں میں ۵ نمازیں یعنی دو گھنٹے۔ بس۔ کہیں عربی مدرسہ ہے تو اور دو گھنٹے یعنی اتنی سہولتوں کی عمارت بیس گھنٹے خالی پڑی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ صبح ۸ سے ۱۰ اور رات بعد عشاء دو گھنٹے مسجد کے دالان وچبوترے محلے کے تمام طلباء وطالبات کے لئے بزرگوں کی سرپرستی میں ریڈنگ روم اور لائبریری بنادیئے جائیں۔ کچھ بزرگ بیٹھے اُن کو دیکھتے رہیں نظم وضبط کے لئے اور اعلیٰ کلاسیز کے طلباء ادنیٰ کلاسیز کے بچوں کو پڑھائیں اور خود بھی پڑھیں۔ محلّہ کے پڑھے لکھے لوگ اور اساتذہ وغیرہ اپنی خدمات پیش کردیں تو سونے پر سہاگہ۔ اب اگر کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ اللہ کے گھر میں یہ عصری تعلیم کیوں؟ تو اسے خود سوچنا چاہئے کہ کیا رسولؐ کی زندگی کا کوئی ایک واقعہ بھی دنیوی ہے؟ کیا جغرافیہ پڑھے بغیر قرآن کی دعوت کہ ''آفاق پہ غور کرو، سمجھو اور خدا کو مانو'' ممکن ہے؟ کیا حیاتیات وسائنس کے مطالعہ کے بغیر انفس پہ غور وسمجھ اور خدا کی پہچان ممکن ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ گردش لیل ونہار اور شمس وقمر پہ غور کرو اور خدا کی برتری وبزرگی کا اعلان کرو۔ آج ملت کا سواد اعظم کسی زبان اُردو ہندی یا مادری زبان میں قرآن کا ترجمہ اور تفسیر یا سیرت کی کتاب نہیں پڑھ سکتا اس لئے ان کے نزدیک دین صرف نماز وروزے تک محدود ہے۔

مشتاق احمد اچلپور، مہاراشٹر

لڑکیوں کی پرورش، کفالت اور تعلیم وتربیت

محمد سیف اللہ کوٹہ (راجستھان)

اسلام وہ دین ہے جس نے لڑکی کا وجود باعث سعادت قرار دیا اور اسے جنت حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا ہے۔ اس کے قتل کو بہت بڑا گناہ بتایا۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟ (سورۃ التکویر ۹-۸)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے دو لڑکیوں کی ان کے بالغ ہوجانے تک کفالت کی وہ روز قیامت مجھ سے اتنا قریب ہوگا (یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنی دونوں انگلیاں ملائیں) (مسلم)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: جس شخص نے دو لڑکیوں کی کفالت کی وہ اور میں جنت میں اس طرح داخل ہوں گے (یہ فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کی دو لڑکیاں ہوں، وہ جب تک اس کے پاس رہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہے، تو وہ اس کے جنت میں داخلہ کا ذریعہ بنیں گی۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں، وہ انہیں اپنی حیثیت کے مطابق کھلائے، پلائے، پہنائے تو وہ روز قیامت جہنم سے اس کے لئے ڈھال بن جائیں گی۔ (ابن ماجہ، مسند احمد)

اور ایک حدیث میں نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان لڑکیوں کی وجہ سے کسی طرح کی آزمائش میں مبتلا ہو اس حال میں وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم سے اوٹ بن جائیں گی۔ (بخاری، مسلم)

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: جس نے اپنی بچی کو زندہ درگور نہیں کیا، اس کو کمتر نہیں سمجھا اور اس پر اپنے بیٹے کو ترجیح نہیں دی، اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (ابوداؤد)

اسلام نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی بھی بہت تاکید کی ہے جو شخص ان کی پرورش وکفالت کرتا ہے اور انہیں ادب واخلاق سکھاتا ہے، ان کی تربیت کرتا ہے اور انہیں علم وحکمت کے زیور سے آراستہ کرتا ہے وہ اپنے لئے جنت کو یقینی بناتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اپنی تین بیٹیوں یا تین بہنوں کی کفالت کی انہیں ادب سکھایا ان کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں بے نیاز کردیا۔ اس کے لئے اللہ نے جنت واجب کردی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اگر کسی کے دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں، وہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرے؟

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کے لئے بھی یہی اجر ہے۔'' راوی مزید کہتے ہیں کہ اگر حاضرین میں سے کسی نے ایک لڑکی یا بہن کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں دریافت کیا ہوتا تو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی جواب دیتے۔ (شرح السنہ) اسلام کی یہ تعلیمات لڑکیوں کو اتنی عظمت ورفعت عطا کرتی ہیں کہ اس سے زیادہ کے بارے میں خیال بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کرلیا جائے تو دنیا میں لڑکیوں کا مقام بلند ہوسکتا ہے اور ان کی بے وقعتی دور ہوسکتی ہے۔

●●

سول سروز کے امتحان میں کامیاب ہونے والے مسلمان اُمیدوار

نئی دہلی- یونین پبلک سروس کمیشن نے ۲۰۰۸ء کے لئے ہونے والے سول سروسز کے امتحانات کے نتائج کا اعلان کردیا ہے۔ مقابلے کے امتحان میں اس بار مجموعی طور پر 3,18,843 اُمیدوار ابتدائی امتحان میں شریک ہوئے تھے ان میں سے 11,849 اُمیدواروں کو تحریری امتحان کے قابل قرار دیتے ہوئے انہیں تحریری امتحان میں شریک ہونے کی اطلاع دی گئی تھی۔ ان میں 2140 اُمیدواروں کو پرسنلٹی ٹسٹ کے لئے منتخب کیا گیا، جو گزشتہ برس مارچ میں ہوا تھا۔ حتمی طور پر کل 791 اُمیدواروں کو کامیاب قرار دیا گیا، ان میں سے 625 مرد اور 166 خواتین ہیں۔

واضح رہے کہ سول سروسز کے لئے جو اُمیدوار منتخب ہوئے ہیں ان کے پانچ درجے ہوتے ہیں۔ ایک درجہ آئی اے ایس کا ہوتا ہے دوسرا آئی ایف ایس کا، تیسرا آئی پی ایس، چوتھا اور پانچواں سنٹرل سروسز گروپ اے اور گروپ بی کا ہوتا ہے۔ ایک دوسری درجہ بندی بھی ہوتی ہے وہ ہے جنرل او بی سی، ایس سی، ایس ٹی اور معذورین کی۔ اس بار جن 791 اُمیدواروں کا انتخاب عمل میں آیا ہے ان میں سے 120 آئی اے ایس (۶۰ جنرل، ۳۳ او بی سی، ۱۷ ایس سی ۱۰ ایس ٹی) ۲۶ آئی ایف ایس (۱۳ جنرل، ۸ او بی سی، ۴ ایس سی، ایک ایس ٹی) ۱۳۰ آئی پی ایس (۶۵ جنرل، ۳۶ او بی سی، ۲۰ ایس سی، ۹ ایس ٹی) باقیماندہ ۵۴۶ سنٹرل سروسز گروپ اے کے لئے منتخب ہوئے ہیں ان میں ۲۸۲ جنرل، ۱۴۶ او بی سی، ۸۱ ایس سی، ۳۷ ایس ٹی۔ ۵۹ سنٹرل سروسز گروپ بی (۳۴ جنرل، ۱۳ او بی سی، ۸ ایس سی اور ۴ ایس ٹی) ان میں ۲۰ معذور اُمیدوار بھی شامل ہیں ان میں سے ۱۳ جنرل زمرے میں ہیں اور ۷ او بی سی زمرے میں۔

اس بار مجموعی طور پر ۳۱ مسلمان اُمیدوار بھی کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کا تناسب ۳.۹ فیصد ہے۔ کامیاب ہونے والے مسلمان اُمیدواروں کے نام درج ذیل ہیں، نام کے آگے ہندسوں میں پوزیشن دی گئی ہے:

۱	صوفیہ فاروقی	۲۰
۲	سرفراز احمد	۲۶
۳	شاہد اقبال	۵۱
۴	تنبولی ایاز فقیر بھائی	۷۵
۵	صدر عالم	۹۰
۶	معصوم علی سرور	۱۲۸
۷	امتیاز اسماعیل پرے	۱۳۴
۸	عائشہ رانی اے	۱۳۹
۹	ضیاء الحق	۱۶۹
۱۰	عاشق الزماں	۲۴۴
۱۱	بصیر احمد	۲۵۷
۱۲	صبیحہ رضوی	۳۰۳
۱۳	انیس احمد انصاری	۳۰۴
۱۴	پٹھن امتیاز خاں	۳۵۲
۱۵	مشہود الرحمٰن فاروقی	۳۸۲
۱۶	شاہنواز الرحمٰن	۳۹۳
۱۷	چاند باشا ایم	۳۹۸
۱۸	اختر حسین انصاری	۴۵۳
۱۹	قاضی سہیل انیس احمد	۴۶۰
۲۰	طارق معبود	۴۹۹
۲۱	گیلانی باشا کے ایس ایم	۵۰۲
۲۲	آر گلزار بیگم	۵۲۳
۲۳	محمد شاہد عالم	۵۴۰
۲۴	شفا علی	۵۴۱
۲۵	محمد فیضان نیر	۵۴۶
۲۶	محفوظ الرحمٰن	۵۸۲
۲۷	محمد صادق عالم	۵۹۵
۲۸	محمد سالک پرویز	۶۰۳
۲۹	محمد فیض الحق	۶۰۶
۳۰	محمد یوسف قریشی	۶۱۹
۳۱	عبدالحکیم ایم	۶۶۴

سپریم کورٹ کا اقدام قابل ستائش ہے

ڈاکٹر نصر فردوسی، جمشید پور

ذی شعور اور بیدار مغز لوگ اپنے اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ملک کے سیاسی حالات پر تبصرہ کرتے رہے اور سیاسی داؤں پیچ پر اُن کی نظر رہی اور ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کے ذمہ داروں پر انکوائری کمیشن کی رپورٹیں بھی لوگ جانتے گئے۔ لیکن ملک کا یہ بڑا المیہ ہے کہ ایسی شیطانی قوت کو حکومتوں نے یا تو سزا دینے کی جرأت نہیں کی یا اپنے وجود کے لئے سمجھوتہ کرتے رہے۔ چند مسلم تنظیموں اور سیاسی رہنماؤں نے اپنے طور پر ایوانوں میں یا انجمنوں میں یا پرچے اور اخبارات میں بہت کچھ بولنے اور لکھنے کی کوشش کی۔ الحمد للہ اب وہ ساری باتیں ایوانوں اور تنظیموں سے نکل کر ملک کے سب سے بڑے حاکم سپریم کورٹ تک پہنچ گئی ہیں۔ جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ثابت ہونے کا سبھوں کو یقین بھی ہے۔ Human Rights Comission اور ایسی کئی تنظیموں نے مسلسل گجرات میں برپا مظالم سے متعلق اپنی کاوش جاری رکھی اور حق پرست عناصر نے ملک کو بہتر حالات بخشنے کے لئے سعیٔ پیہم کی ہے۔ مظلوموں کی آہیں آسمانوں تک پہنچتی ہیں جہاں سے اب ایوانوں کا فیصلہ اُتر رہا ہے۔

سپریم کورٹ کا نریندر مودی کی تفتیش کرانا اور گواہوں کی سیکورٹی فراہم کرانا ایک قابل ستائش عمل ہے اور پھر دوسرے احکام بھی ہمیں یقین دلا رہے ہیں کہ نریندر مودی اور ان کے شرکاء کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ دراصل فرقہ پرستی اور ساری دہشت گردی تو اسی فسطائی قوت کی سازش رہی ہے جواب ثابت ہورہی ہے۔

یقین ہے کہ ایس آئی ٹی (Special Investigation Team) یعنی خصوصی تفتیشی ٹیم اپنے فرائض پوری ذمہ داری سے نبھائے گی۔ اور یوں ملک کی فسطائی قوت کے سرکردہ افراد کی گرفت ہوگی اور مظلوموں کو انصاف ملے گا۔ سپریم کورٹ کے اس رویے سے اس بات کی بھی امید ہے کہ ملک کا سیاسی نظام حق پرستوں کے ہاتھ میں آئے گا اور ملک کا ماحول صحت مند اور صالح ہاتھوں میں آنے کے امکانات روشن ہوں گے۔ میری سمجھ میں اس بار لوک سبھا انتخابات کے موقع سے فرقہ پرست اور فسطائی قوت کو پسپا کرنے کے لئے سیکولر قوتیں سالمیت کے تقاضے کو بھی سمجھ رہی ہیں۔ بہت ساری ایسی باتیں سامنے آئی ہیں جو ایک خوشحال ہندوستان اور پُرامن ہندوستان بنانے میں معاون ہوں گی۔

بقیہ: کاش حکمراں کشادہ دلی سے کام لیتے

برسوں کے دوران ہر پل اس کے اور ہمارے درمیان دوریاں اور فاصلے بڑھے ہیں سری لنکا میں ہمارے تملوں نے جو رول ادا کیا اس کی بنیاد پر وہاں کی حکومت ہمارے ملک کو انہی تاملوں کے ملک کی حیثیت سے دیکھتی ہے۔ نیپال کی حکومت ہمارے بارے میں شکوے وشکایات کرتی رہتی ہے۔ وہ ہمارے مقابلہ چین سے ہاتھ ملانے کو بہتر سمجھتی ہے۔ چین پر ہم سے زیادہ اعتماد کرتی ہے۔ چین کے ساتھ دوستی کرنے کی بات ہمیں دھمکی دینے کے انداز میں کرتی ہے۔ وہ ہم سے خفا رہتی ہے۔ مالدیپ جیسا چھوٹا جزیرہ ہمیں اپنا شفیق ہمدرد بڑا بھائی نہیں تصور کرتا خود کو ہمارے دباؤ میں محسوس کرتا ہے۔

کیا اچھا ہوتا کہ اندرونی اور بیرونی ہر جگہ ہم ایک عظیم شجر سایہ دار کا درجہ حاصل کرتے اپنے پرائے سب ہمیں عزت واحترام اور محبت وعقیدت کی نظروں سے دیکھتے ہمیں سوویت یونین، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے آلۂ کار بننے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ہمارا ملک امریکہ سے بڑا ہے۔ روس سے بڑا ہے جاپان وجرمنی سے بڑا ہے اگر ہم اپنے شہریوں اور پڑوسیوں کو کشادہ دلی اور عالی دماغی کے ساتھ اپنے سینہ سے لگا لیتے تو ہماری طاقت یورپی یونین اور ناٹو سے بھی بڑی ہوسکتی تھی۔ ہمیں امریکہ اپنا دست نگر بنانے کی جرأت نہ کرپاتا۔

دھمکیاں دینے اور اپنے اشاروں پر نچانے کا تصور نہیں کرپاتا۔ اقوام متحدہ ہو کہ جی-۸ یورپی یونین ہو کہ کوئی دوسرا اتحاد ہماری خوشنودی کا ہمہ وقت خواہاں رہتا۔ سب سے زیادہ خوشحال ہوتے۔ سب سے زیادہ طاقت ور ہوتے۔ دولت، طاقت عزت وعظمت اختیار وحکمرانی اور بالادستی سب ہمارے ہاتھ میں ہوتے کاش ہمارے تنگ نظر کوتاہ اندیش حکمرانوں اور حکام کے دماغوں میں یہ بات بیٹھ جائے۔

●●

ربا، غرر، میسر، معاشی خلفشار کی جڑ ہیں

شارق نثار

◎

عالمی معاشی بحران کے کیا اسباب ہیں؟ یہ جاننے کے لئے کسی قدر تفصیل میں جانا پڑے گا۔ اگر آپ اس مالی بحران کا باریک بینی سے جائزہ لیں تو آپ کو تین اہم اسباب نظر آئیں گے۔ ربا، غرر، میسر اور یہ تینوں چیزیں اسلام میں حرام ہیں۔

زر کی بابت ڈھیلی پالیسی (Loose monetary Policy) کی وجہ سے بازار میں زر کی اس قدر بہتات ہوگئی کہ بینک اور مالیاتی ادارے اپنے دیئے ہوئے قرض وصول کرنے کے لئے نہیں بلکہ قرض لینے والوں کی تلاش میں نکل پڑے۔ پہلے تو انہوں نے ان لوگوں کو قرض دیا جو قرض لوٹانے کی صلاحیت رکھتے تھے لیکن جب ایسے لوگ کم پڑگئے تو انہوں نے ان لوگوں کو بھی قرض دینا شروع کردیا، جو قرض لوٹانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ جن چیزوں کی ضمانت پر قرض دے رہے ہیں ان کی قیمتیں روز بروز بڑھتی ہی جائیں گی اور قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں وہ ان چیزوں پر قبضہ جمالیں گے اور ان کا کوئی خسارہ نہیں ہوگا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر مالیاتی اداروں کو کیا غرض ہے کہ وہ لوگ کو بلا بلا کر قرض دیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ معاصر بینک پہلے خوب خوب کریڈٹ پیدا کرتے ہیں اور پھر وہ زیادہ سے زیادہ سود کمانے کی طلب میں لوگوں کو قرض دینا چاہتے ہیں۔ بازار میں اپنی حصے داری کو یقینی بنانے کے لئے تقریباً تمام بینک اور مالیاتی ادارے یہی کام کرتے ہیں۔ پھر ایک ایسی صورت حال پیدا ہوجاتی ہے جس میں ایسے کم ہی لوگ بچتے ہیں جو قرض کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ قرض لوٹانے کی صلاحیت نہ رکھنے والوں کو عرف عام میں ''سب پرائم مدیون (Subprime borrowers) کہا جاتا ہے اور زیادہ سود کمانے کے لئے بینکوں نے قرضوں کی تشکیل نو کی۔ اس عمل کو سیکورٹائزیشن (Securitization) کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد بینکوں نے ان سیکورٹیز کو ان مالیاتی اداروں کے ہاتھوں فرخت کیا جن کے پاس ان قرضوں کو خریدنے کے لئے اب بھی زر موجود تھا۔ تاہم اگر ان مالیاتی اداروں کو بھی سیکورٹیز خریدنے کے لئے فنڈ کی ضرورت ہوتی تو اس کی فراہمی کے لئے بھی ایک الگ ذیلی ادارہ بنایا گیا جس کا نام (Special Purpose Vehicle (SPV رکھا گیا ہے۔

دوسری جانب ان مالیاتی اداروں کو اپنے کھاتوں کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایسے طریقہ کار کی ضرورت تھی جو خطرات (Risks) کو کم کرے۔ چنانچہ خطرات کو کم کرنے کے نام پر بازار میں کچھ حیرت انگیز پروڈکٹس اتارے گئے مثلاً کریڈٹ ڈیفالٹ سوئپس (Credit default swaps)، انٹرسٹ ریٹ سوئپس (Interest rate swape) وغیرہ۔ یہ بالکل جوا جیسا ہی ہے، جہاں بازار میں شرکت کرنے والے ادارے کریڈٹ پورا کرنے یا سود کی ادائیگی کی صلاحیت پر ایک دوسرے سے شرطیں لگاتے ہیں۔ لین دین کے اس پورے معاملے کو مزید پیچیدہ بناتے ہوئے ان اشیاء اور سیکوریٹیز کی تجارت اسٹاک ایکسچینجوں میں کی جانے لگی، جہاں سٹے بازوں کو یہ موقع ملا کہ وہ مستقبل میں ان اشیاء کی کارکردگی سے متعلق قیاس آرائی کرتے ہوئے قدم اٹھائیں۔ اس طرح جب انہیں یہ اندازہ ہوتا کہ بازار اچھا ہوگا تو وہ تمام سیکورٹیز کو روک لیتے اور جب انہیں یہ محسوس ہوتا کہ بازار گرنے والا ہے تو وہ انہیں فروخت کردیتے۔ مزید یہ کہ مارجن ٹریڈنگ (Margin trading) جس میں سود کا عمل دخل ہوتا ہے، اور شارٹ سیلنگ (Short Selling) جس میں ''میسر'' ہوتا ہے نے بازار کو انتہائی غیر یقینی (غرر پر مبنی) بنادیا۔ ایسی صورت میں ذرا سی چوک بھی پورے بازار کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ معاشی کساد بازاری سے متاثر کئی ممالک نے ''شارٹ سیلنگ'' پر پابندی تو لگادی لیکن یہ قدم اتنا مدھم اور اتنی تاخیر سے اٹھایا گیا کہ تب تک نقصان ہوچکا تھا۔

اس معاشی بحران کے لئے کون ذمہ دار ہے۔ اس میں کوئی ایک فریق یا دو فریق ایسے نہیں ہیں جن پر آپ انگلی اٹھا سکیں۔ ہر وہ شخص جس کا تعلق ان مالیاتی اداروں، مالیاتی مصنوعات اور پالیسی سازوں سے رہا ہے۔ جنہوں نے ان افعال کو انجام دینے میں اپنا کردار ادا کیا ہے، اسے خود پر یہ الزام لینا ہوگا۔ لالچ اور قمار بازی، (دوسروں کی قیمت پر منافع کا حصول) اس بحران کے اصل محرکات ہیں۔ یہی وہ صورت حال ہے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے: ''جو لوگ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جسے شیطان خبطی بنادے لپٹ کر (یعنی حیران ومدہوش)''۔

(سورۂ بقرہ آیت ۲۷۵)

اس افسوسناک صورت حال کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مالدار اور طاقتور طبقے نے اس بحران کا پورا بوجھ غریبوں پر ڈال دیا ہے حالانکہ معاشی ترقی کا سب سے زیادہ فائدہ اسی طبقہ نے اٹھایا ہے اور منافع کی سب سے زیادہ شرح ایگزیکٹیو لوگوں کو بونس کے طور پر ملی ہے۔

عالمی معاشی بحران کی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام کے خطرہ کا جہاں تک تعلق ہے تو دنیا کو سرمایہ داری اور سوشلزم کے درمیان تقسیم کرکے نہیں دیکھا جاسکتا۔ دونوں کے کچھ فائدے اور نقصانات ہیں۔ یہ بحران پوری انسانیت کی ناکامی ہے۔ خدا نے ہمیں اس سلسلے میں پہلے سے ہی واضح طور پر آگاہ کردیا ہے، خدا نے ہمیں جوا بازی اور سود خوری سے سخت منع کیا ہے لیکن ہم لوگوں نے اللہ کے حکم پر دھیان نہیں دیا اور نتیجتاً ہمیں اسی کی مار جھیلنی پڑ رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی غلطیوں سے سیکھیں اور ایک ایسا نظام تیار کریں جو کہ صرف حکمرانوں اور طاقتور لوگوں کے بجائے تمام انسانوں کے مفاد میں ہو۔

مفاد پرستی اور خود غرضی ہمیں ناانصافی اور استحصال کی طرف لے جاتی ہے اور پھر اس کے نتیجے میں تنازعات پیدا ہوتے ہیں اور جنگیں ہوتی ہیں۔ ۱۹۲۹ء کی کساد بازاری کی یہی وجہ تھی، موجودہ صورت حال کی بھی یہی وجہ ہے کہ اور مستقبل کے معاشی بحرانوں کی بھی یہی وجہ رہے گی۔

سب پرائم بحران نتیجہ ہے، سبب نہیں۔

موجودہ بحران میں جو معاملہ پیش آیا ہے وہ بالکل مختلف ہے۔ یہاں ان لوگوں کو نوازا گیا جنہوں نے دھوکہ دھڑی سے کام لیا اور اس کو سرمایے کی پیداواریت نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہاں تو سادہ لوح سرمایہ کاروں کا پیسہ دھوکہ دھڑی کرنے والوں تک پہنچایا گیا۔

بڑے امدادی پیکجوں سے امریکی معیشت کی صورت حال میں بہتری کا انحصار اس بات پر ہے کہ منصفانہ طریقے سے پیسہ خرچ کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر زر کو منصفانہ طور پر خرچ نہیں کیا گیا تو ہمیں ایک بار پھر مسائل کے ایک انبار کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن ابھی جو اقدامات کئے جارہے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ متعدد حکومتیں جلد سے جلد حالات پر قابو پانا چاہتی ہیں، بحران کی نزاکت کو دیکھ کر ایسا ہونا ضروری بھی ہے، لیکن صرف امدادی پیکجوں سے ہی کام نہیں چلے گا۔ ہمارے نظام میں بنیادی کمزوریوں کے سبب ایک طویل عرصے کے دوران یہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے بزنس کی پالیسیوں اور اس کے طریقوں میں ساختیاتی تبدیلیاں کی جائیں۔ استحصال اور تعصب پر مبنی پالیسی سماج کو امن وانصاف نہیں دلا سکتی۔

یہاں یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی شخص جو استحصال، سود خوری اور قمار بازی کی راہ پر چلے گا، اسے اس طرح کے بحران کا سامنا ضرور ہی کرنا پڑے گا۔ جو لوگ بھی اس قسم کی غیر منصفانہ پالیسی پر عمل پیرا ہیں انہیں آج یا کل اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

موجودہ معاشی بحران کے باوجود ہندوستان کے اپنی جی ڈی پی (مجموعی ملکی پیداوار) ۹ فیصد سے زیادہ کرنے میں کامیابی کی جہاں تک بات ہے تو اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہندوستان یہ نمو اس وقت تک نہیں لاسکتا جب تک کہ وہ اپنی معاشی پالیسی کو غریبوں کے حق میں تبدیل نہ کردے۔ ابھی تک جو پالیسی ہے اس سے صرف مالداروں کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور غریبوں کو اس کا فائدہ حاصل نہیں ہورہا ہے۔ پچھلے چند سالوں میں ہندوستان نے جتنی بھی نمو حاصل کی ہے وہ صرف مالداروں اور طاقتور لوگوں تک ہی محدود ہے لیکن غریبوں کی حالت میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آرہی ہے۔ ملک کی ۶۵ فیصد آبادی کا انحصار زراعت پر ہے لیکن زراعت کی شرح ترقی سے مجموعی ترقی کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ صرف موبائل فون تک رسائی ہوجانے سے ہی معاشی ترقی نہیں ہوتی۔

(دی سنڈے انڈین)

افغانستان مسئلہ پر شاویز کی ناراضگی

کراکس- گرمجوشانہ مصافحے کو ابھی چند ہفتے ہی گزرے تھے کہ وینزویلا کے صدر ہیوگو شاویز افغانستان میں ہلاکت خیز ہوائی حملوں کے خلاف صدر امریکہ بارک اوباما پر برس پڑے۔ افغان حکام کے مطابق طالبان پر امریکی حملے میں ۱۴۷ عام شہری مارے گئے ہیں۔ صدر افغانستان حامد کرزئی نے بھی اس واقعے کے بعد امریکہ سے ہوائی حملے بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ وہ واشنگٹن میں سی این این سے بات کررہے تھے۔ مسٹر شاویز نے جو ایک اشتراکی لیڈر ہیں وینزویلا اور امریکہ میں دس برسوں سے جاری زبانی لڑائی ختم کرنے کی مسٹر اوباما کی کوششوں کی ستائش کی لیکن الزام لگایا کہ وہ ''استعماری خارجہ پالیسی'' پر ہی عمل پیرا ہیں۔

افغانستان کے صدر حامد کرزئی کی واشنگٹن میں صدر اوباما سے ملاقات بھی امریکہ ہوائی حملوں کی وجہ سے متاثر رہی۔ مسٹر کرزئی نے سی این این سے کہا کہ اسلام پسند طالبان کو بے دخل کرنے والی سات سالہ جنگ کے شروع میں افغانوں نے ہوائی حملوں کو برداشت کرلیا لیکن عام شہریوں کی بڑھتی ہوئی ہلاکتوں نے اس مفاہمت کو کمزور کردیا ہے۔

افغانستان کے فرح صوبے میں ۱۴۷ عام شہریوں کی ہلاکت کا سبب بننے والے امریکی ہوائی حملے پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے مسٹر اوباما نے وائٹ ہاؤس میں مسٹر کرزئی سے ملاقات میں اظہار معذرت کیا ہے۔ مسٹر کرزئی نے سی این این سے کہا کہ دہشت گردوں کی تعداد خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو عام شہریوں کی اتفاقی یا کسی اور وجہ سے ہلاکتیں ناقابل برداشت ہیں۔ صوبہ فرح کے ڈپٹی گورنر یونس رسول کے مطابق ہوائی حملے کی زد میں آنے والے دو گاؤں کے لوگوں نے ۱۴۷ ہلاک شدگان کے ناموں کی فہرست پیش کردی ہے۔

ہندوستانی سرحد پر فوج میں تخفیف

واشنگٹن- پاکستان کے صدر آصف علی زرداری نے کہا ہے کہ ان کا ملک اپنے کچھ فوجیوں کو ہندوستان سے متصل سرحدوں سے ہٹا کر طالبان اور القاعدہ کے جنگجوؤں سے لڑنے کے لئے اپنے مغربی سرحدی علاقہ میں تعینات کرنے کے لئے تیار ہے۔ امریکہ پاکستان پر دباؤ بنا رہا ہے کہ وہ طالبان کے خلاف اپنی مہم کو تیز کرے۔ امریکی صدر بارک اوباما پاکستان کو یہ سمجھانے کی کوشش کررہے ہیں کہ ملک کے اندر کے شدت پسند اس کی سیکورٹی اور تحفظ کے لئے سب سے زیادہ سنگین خطرہ ہے۔

زرداری نے پی بی ایس چینل کے ''چارلی روز شو'' میں امریکی درخواست کے سلسلے میں پوچھے جانے پر کہا کہ ''میں آپ کو بتادوں کہ حال میں ہی ہم نے اپنے کچھ فوجیوں کو بھیجا ہے کیونکہ کارروائی کے لئے اس کی ضرورت تھی۔ اگر ضرورت پڑی تو ہم مزید فوجی بھیجیں گے۔ اس دوران شو میں افغان صدر حامد کرزئی بھی موجود تھے۔ زرداری نے کہا کہ یہ ضرورت پر مبنی ہے۔ جب ڈیمانڈ زیادہ ہوتی ہے تو ہم منتقل کرتے ہیں۔ جب بھی ہمیں فوجیوں کو منتقل کرنا ہوگا تو ہم انہیں ہندوستانی سرحد سے ہٹا کر اس سرحد (افغان سرحد) کی طرف بھیجیں گے۔ زرداری نے یہ تبصرہ ایسے وقت میں کیا ہے جب امریکہ نے کہا کہ وہ پاکستان کے حالات سے فکرمند ہے۔

دریں اثنا شدت پسندوں اور انتہاپسندوں کے خلاف حتمی جنگ شروع کرنے کے حکومت پاکستان کے فیصلے سے ناراض طالبان نے صدر آصف علی زرداری، وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی سمیت ملک کی اعلیٰ ترین قیادت کو ''ختم'' کرنے کا عہد کیا ہے۔ ایک طالبان کمانڈر نے ''دی نیوز ڈیلی'' کو بتایا کہ ''ہم لوگوں نے سوچا کہ ایک مذہبی خاندان کے رکن ہونے کی بنا پر گیلانی مالا کنڈ ڈویژن میں شرعی قوانین نافذ کرنے کے ہمارے مطالبہ کی حمایت کریں گے لیکن اس کے برعکس انہوں نے ہمارے خلاف حتمی جنگ کا اعلان کردیا۔

صومالیہ کی نئی حکومت امن قائم کرپائے گی؟

براعظم افریقہ میں جنگجو قبائلیوں کا ملک صومالیہ ۶۳۷۶۵۷ مربع کلو میٹر رقبہ اور تقریباً ایک کروڑ آبادی رکھتا ہے۔ ۶ ہزار تین سو کلو میٹر سمندری ساحل کا بھی مالک ہے۔ عوام ۱۰۰ فیصد مسلمان ہیں اور اسلام کے نفاذ کے لئے نہایت جذباتی ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں برطانوی واطالوی استعمار سے آزاد ہوا اور ۱۹۶۹ء میں فوجی آمریت کے شکنجے میں آگیا۔ ۱۹۹۱ء میں آمریت کا خاتمہ ہوا تو خانہ جنگی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۱۹۹۲ء میں امن کے نام پر امریکی فوج صومالیہ میں داخل ہوئی تو صومالی جنگجوؤں نے انہیں پکڑ کر سڑکوں پر گھسیٹا۔ امریکی اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ بلاتاخیر بھاگ گئے۔ مذاکرات معاہدات ہوتے، حکومت بنتی اور ٹوٹتی رہیں مگر خانہ جنگی کا سلسلہ نہ رکا۔ اسی دوران اسلامی عدالتوں کے نام سے ایک سلسلہ تحریک شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ملک کے بڑے حصے میں امن قائم کردیا مگر امریکہ اور ہمسایہ ممالک کو اسلام اور عدل وانصاف کے نام پر قائم ہونے والا امن پسند نہ تھا۔ امریکی ایما پر دسمبر ۲۰۰۶ء میں ایتھوپیا نے حملہ کرکے اسلامک کورٹس یونین (ICU) کی حکومت ختم کرکے اپنی ایجنٹ عبوری حکومت بنادی۔ تمام تر قتل وغارت گری کے باوجود حکومت تحریک مزاحمت کو کچلنے میں ناکام رہی۔ ۳۱ جنوری کو اسلامک کورٹس یونین کے سابق سربراہ شیخ شریف شیخ احمد نے صومالیہ کے نئے صدر کے طور پر حلف اٹھایا۔ انہیں یہ صدارت امریکی تائید وحمایت سے ملی ہے، اسی لئے ان کے موقف میں تبدیلی آئی ہے ان کا کہنا ہے کہ ''امریکہ ایک ایسی قوت ہے جو امن کی حمایت کرتی ہے اور ہمارے خیال میں صومالیہ کے بارے میں اب امریکی نقطہ نظر مثبت ہے۔'' انہوں نے عمر عبدالرشید شرمارکے کو وزیر اعظم مقرر کیا ہے۔

۲۰۰۶ء میں جب ICU کی حکومت ختم ہوئی تو شیخ شریف نے ''ماڈریٹ الائنس فاری لبریشن آف صومالیہ'' تشکیل دے لیا۔ یہ ماڈریٹ بننے کا نتیجہ ہی ہے کہ امریکہ نے انہیں قبول کرلیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ صومالیہ سے باہر بیرونی طاقتوں کے ذریعے تشکیل پانے والی حکومت امن کیسے قائم کرپائے گی۔ صومالیہ کے بڑے حصے پر شباب کے عسکریت پسندوں کا کنٹرول ہے جو کسی صورت بھی ایسے شخص کو قبول کرنے کو تیار نہیں جسے امریکہ کی تائید وحمایت حاصل ہو اور اس کے دل میں امریکہ کے لئے ہمدردی پائی جاتی ہو۔ اگرچہ صدر اور وزیر اعظم دو بڑے قبائل سے تعلق رکھتے ہیں مگر شباب کی گرفت کہیں زیادہ ہے۔ شیخ شریف نے ''اسلامی شریعت'' کا سہارا لینے کی پالیسی اپنائی ہے۔ یہ وقتی طور پر تو شاید کسی حد تک مفید رہے مگر پائیدار امن کے لئے شباب کا ہمنوا ہونا ضروری ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ صومالی لیڈر باہر سے ہدایات لینے کے بجائے فیصلے خود کریں۔

عراق: امریکی جارحیت کے ۶ سال بعد

۲۰ مارچ ۲۰۰۳ء کو امریکہ نے عراق پر دوسری جارحیت کی۔ پہلی جارحیت کویت پر عراقی قبضہ کو بہانہ بنا کر کی گئی تھی۔ اس میں لاکھوں ٹن بارود استعمال کرنے کے بعد عراق پر اقتصادی پابندیاں لگادی گئیں۔ ۱۵ تا ۲۰ لاکھ عراقی مسلمان بارود اور اقتصادی پابندیوں کی نذر ہوگئے۔ لاکھوں بچے دودھ اور ادویات کو ترس ترس کر مرگئے۔ دوسری جارحیت کرنے کے لئے تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کو بہانہ بنایا جو گزشتہ چھ سال میں نہیں مل سکے۔

ان چھ سالوں میں عراق پر کون سا ہتھیار ہے جو امریکہ نے نہیں آزمایا اور ظلم وجبر کا کون سا ہتھکنڈا ہے جو اختیار نہیں کیا۔ ابوغریب جیل میں بدترین سفاکی کی داستانیں اب کوئی راز نہیں۔ عراقیوں کو خونخوار کتوں کے آگے پھینکا گیا، گلوں میں زنجیریں ڈال کر گلیوں بازاروں میں گھسیٹا گیا اور ہزاروں معصوم بچوں اور خواتین کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دوسری جارحیت کے دوران میں تین لاکھ سے زیادہ عراقیوں کو امریکہ نے قتل کیا اور پورے عراق کو کھنڈر میں بدل دیا۔ ۲۲ تا ۲۵ لاکھ عراقی بیرون ملک ہجرت پر اور ۳۰ لاکھ کے قریب اندرون ملک نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ ان تمام تر سفاکی کے باوجود امریکہ عراق پر گرفت قائم کرنے میں ناکام رہا۔ مجاہدین نے اپنے جسموں کو بارود سے اڑا کر امریکہ کے مذموم عزائم کو خاک میں ملادیا۔ امریکہ ۲۰ تا ۲۳ لاکھ عراقیوں کو قتل کرنے کے بعد بھی ان کے حوصلے پست نہ کرسکا مگر اپنی ساڑھے چار ہزار لاشیں گنتے ہی ڈھیر ہوگیا۔ قربانی اور استقامت کا مظاہرہ ہمیشہ اہل حق ہی کرتے ہیں، باطل صرف ظلم وجبر ہی کرسکتا ہے۔

امریکہ عراق میں مسلکی ونسلی (شیعہ، سنی اور کرد) اختلافات سے فائدہ اٹھانے میں ضرور کسی حد تک کامیاب رہا اور اردگرد کے مسلم ممالک کے حکمرانوں نے بھی مجاہدین کی پیٹھ میں چھرا گھونپا، اگر امریکہ کو یہ مدد حاصل نہ ہوتی تو عراقی حریت پسند امریکہ کا وہ حشر کرتے کہ تاریخ میں کسی نے کسی کا نہ کیا ہوتا۔ تمام تر امریکی حربوں، ڈالروں کی بارش اور سازشوں کے باوجود عراقیوں نے جرأت وبہادری سے مقابلہ جاری رکھا اور یہ مزاحمت ہنوز جاری ہے۔ امریکہ اپنی شکست تسلیم کرکے چھاؤنیوں تک محدود ہوچکا ہے اور کرائے کے ٹٹو اب امریکی فوجیوں کی حفاظت کررہے ہیں۔ لیکن یہ سلسلہ بھی زیادہ دیر نہیں چل پائے گا۔ امریکہ ۲۰۱۱ء میں عراق سے نکلنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن حالات اسے ۲۰۱۰ء ہی میں بھگادیں گے۔ ماہ رفتہ میں حریت پسندوں نے کافی بڑی کارروائیاں کی ہیں اور ان میں بتدریج تیزی آتی جارہی ہے۔

۲۸ فروری کو حریت پسندوں نے بغداد میں پولیس پارٹی پر حملہ کیا جس میں پولیس اہل کار سمیت ۴ افراد ہلاک ۶ زخمی ہوگئے۔ یکم مارچ کو بم دھماکے اور فائرنگ کے واقعات میں چھ افراد ہلاک ۱۶ زخمی ہوئے۔ تین مارچ کو بم دھماکے اور فائرنگ سے امریکی فوجی سمیت آٹھ ہلاک پچیس زخمی ہوئے۔ ۴ مارچ کو دو خودکش حملوں میں گیارہ افراد ہلاک اور ۳۳ زخمی ہوئے۔

۵ مارچ کو منی ٹرک سے عراقی شہر بلہ کے قریب حملہ کیا گیا جس میں دس افراد ہلاک ۵۸ زخمی ہوئے۔ بغداد سے ۷۰ کلو میٹر دور سڑک کے کنارے بم دھماکے سے مقامی ملیشیا کا عہدیدار، اس کی بیوی، اور نواسہ بھی ہلاک ہوگئے۔ وسطی بغداد میں بھی ایک خودکش دھماکا ہوا جس میں دو پولیس اہل کار ہلاک ۱۲ زخمی ہوئے۔ ۶ مارچ کو بارودی سرنگ دھماکے سے ایک پولیس اہل کار ہلاک دو زخمی ہوئے۔

۸ مارچ کو بغداد پولیس اکیڈمی کے باہر موٹر سائیکل سوار نے خودکش حملہ کیا جس میں ۳۲ اہل کار ہلاک اور ۵۸ زخمی ہوئے۔ گیارہ مارچ کو بغداد ہی میں ایک خودکش حملے میں قبائلی سردار، پولیس اہل کاروں اور دو صحافیوں سمیت ۳۶ ہلاک ۵۶ زخمی ہوئے۔ موصل میں کار بم دھماکے سے تین اہل کار ہلاک دس زخمی ہوئے۔ بصرہ میں برطانوی فوجی اڈے پر راکٹ حملے میں ایک غیر ملکی ہلاک ہوگیا۔

۱۴ مارچ کو موصل میں خودکش حملہ ہوا جس میں ۶ افراد ہلاک ۱۰ زخمی ہوئے۔ چھوٹے چھوٹے دھماکے تو روزانہ ہی جاری رہے مگر ۲۳ مارچ کو ایک اور بڑا خودکش دھماکا ہوا جس میں ۲۵ ہلاک ۵۰ زخمی ہوئے۔ ایک دوسرے خودکش دھماکے میں ۸ ہلاک اور ۱۹ زخمی ہوئے۔ ان چند خبروں سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ عراق میں امریکی افواج اور کٹھ پتلی انتظامیہ پر تیز حملوں کا ایک بڑا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔

روس اور یورپ کی اس کشمکش کا منطقی انجام کیا ہوگا؟

میاں علی رضا

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں جہاں بھی توانائی کے ذخائر موجود ہیں اس خطے میں کسی نہ کسی طرح کی خانہ جنگی کا ساماں رہتا ہے، وہ افریقہ کا خطہ ہو یا مشرق وسطیٰ، افغانستان کا علاقہ ہو یا پھر وسطی ایشیا کے معدنی ذخائر سے مالا مال ریاستوں کی سرزمین ہو، ان علاقوں کی مجموعی طور پر اسٹڈی کرنے سے ایک بات اور ثابت ہوتی ہے کہ جب تک ان علاقوں میں بیرونی مداخلت نہیں تھی اس وقت تک ان خطوں میں نہ صرف امن تھا بلکہ سیاسی کشیدگیاں اور انتشار کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں تھی، بیرونی مداخلت نے ان علاقوں کا امن برباد کرکے رکھ دیا ہے۔ کسی بھی ملک میں بیرونی مداخلت بغیر وجہ کے نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ سے اس کی کوئی نہ کوئی وجہ رہی ہے، افریقہ، مشرق، وسطیٰ وسطی ایشیا جیسے علاقوں میں مغربی وامریکی فوجی، سفارتی اور سیاسی مداخلت کا مقصد ان علاقوں کے قدرتی ذخائر تک رسائی حاصل کرنا تھا، روس کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو روس کو بکھیرنے کا مقصد بھی قدرتی گیس اور تیل کے بے پناہ ذخائر اور بحیرہ قذوین پر ملکیت رکھنے کی وجہ سے روس کا سپر پاور ہونے کا بھرم توڑنا تھا جس میں امریکہ اور مغرب نے سرد جنگ کے نام پر کامیابی حاصل کی، ان دنوں روس اور یوکرائن کی گیس کا ایشو یورپی ممالک میں موضوع بحث بنا ہوا ہے کہ کیونکہ وسطی ایشیاء کے ذخائر یورپی ممالک کی مجبوری بن چکے ہیں جو کہ روس کی منظوری کے بغیر یورپ کو حاصل نہیں ہوسکتے، روس سے قدرتی گیس کی سپلائی یو کرائن کے راستے یورپ کو جاتی ہے یہاں ایک بات نہایت ہی غور طلب ہے کہ جب بھی سال کے شروع میں یورپ کے مشرقی ممالک کا درجہ حرارت منفی ۲۵ ڈگری سینٹی سے بھی گر جاتا ہے، روس یورپی ممالک کو گیس کی سپلائی بند کردیتا ہے اور پھر مذاکرات کی میز پر اپنے مطالبات منوا کر گیس کی ترسیل کو بحال کردیتا ہے، روس کو بکھیرنے میں یورپی ممالک نے امریکہ کا بھرپور ساتھ دیا تھا جس کا اب یورپ کو خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے، ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یورپی یونین نے یوکرائن سے روس کو بائی پاس کرتے ہوئے توانائی کے حصول کے لئے کچھ معاہدے کرکے روس کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے، جس نے وسطی ایشیا کے توانائی سے مالا مال اس خطے میں ایک نئی سرد جنگ کو جنم دیا ہے، جس میں روس کی کامیابی کی توقع کی جا رہی ہے۔ اس سرد جنگ میں روس کا یوکرائن پر کنٹرول کرنا بھی شامل ہے اور جارجیا پر امریکہ اور مغرب کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کی وجہ سے روس کا حملہ بھی اسی سرد جنگ کی حکمت عملی کا حصہ تھا، جس کو عالمی سطح پر سرد جنگ کی شروعات کہا جا رہا ہے کیونکہ جارجیا پر روسی حملے سے امریکی اور مغربی مفادات کو کاری ضرب لگی لیکن روس نے براہ راست امریکہ پر حملہ نہیں کیا، اس لئے اسے سرد جنگ کے دوسرے دور کا نام دیا جا رہا ہے۔

اس سرد جنگ کے انجام پر روس کے دوبارہ منظم ہونے کی توقع کی جا رہی ہے، حال ہی میں برسلز میں ہونے والی ایک کانفرنس میں یوکرائن کے صدر "وکٹریش چنکو" نے "یورپی کمیشن"، "ورلڈ بنک"، "یورپین انوسٹمنٹ بنک" اور "بینک فار یوروپین ری کنسٹرکشن اور ڈولپمنٹ" سے توانائی کے حصول کے کروڑوں یورو کے ذاتی قسم کے معاہدوں پر دستخط کئے ہیں، ان معاہدوں میں یوکرائن کی گیس پائپ لائنز کی اعلیٰ سطح پر تعمیر نو بھی شامل ہے، جس پر روس نے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے یوکرائن کو دھمکی دی ہے کہ یوکرائن یورپی یونین سے کئے گئے معاہدوں پر نظر ثانی کرے، معاہدوں کے مطابق یوکرائن گیس ٹرانسپورٹ کمپنی یورپی مفادات کے مطابق کام کرے گی، تاہم یوکرائن نے روس کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کو بھی ملحوظ خاطر نہیں رکھا جس کے مطابق یورپی ممالک کو ملنے والی روسی گیس کا ۸۰ فیصد حصہ یوکرائن کی پائپ لائنز کے ذریعے یورپ کو دیا جاتا ہے۔

روسی وزیر اعظم پوٹن نے اس معاہدے کو غیر پیشہ ورانہ امر قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان معاہدوں سے روس کے نہ صرف یوکرائن کے ساتھ بلکہ یورپی یونین کے ساتھ بھی تعلقات خراب ہوسکتے ہیں، پوٹن نے روسی نیوز ایجنسی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر روس کے مفادات کو نظر انداز کیا گیا تو پھر ہمیں (یورپی ممالک کے ساتھ تعلقات کے ایجنڈے اور اصولوں پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔" پوٹن کا یہ بیان یورپ کے لئے کھلی دھمکی کے مترادف ہے، یورپ اس وقت اس پوزیشن میں نہیں کہ روس کی مخالفت کا کھل کر سامنا کرسکے جس کی وجہ سے پورے یورپ میں پوٹن کے اس بیان پر تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔

یورپی ممالک نے یوکرائن کے ساتھ اس وقت معاہدوں کو ضروری سمجھا تھا جب روس یوکرائن گیس وار کی وجہ سے رواں سال جنوری میں روس نے یورپی ممالک کو گیس کی سپلائی روک دی تھی جب کہ اس وقت یورپ کے مشرقی ممالک کا درجہ حرارت تقریباً منفی ۲۸ ڈگری سینٹی گریڈ تھا جس میں گیس کا حصول ناگزیر تھا، جس پر برسلز میں یورپی یونین کے خارجہ تعلقات کے کمشنر، "بینٹا فریرو ونٹز" نے کہا تھا کہ "ہم دوبارہ موسم سرما کی شدید سردی میں اپنے شہریوں کو توانائی کی ترسیل میں کمی کی مزید اجازت نہیں دے سکتے۔" کمشنر کے اس بیان کے بعد یورپی یونین نے روس کو بائی پاس کرکے یوکرائن کے ساتھ گیس کی ترسیل کے لئے ذاتی نوعیت کے معاہدے کئے تھے۔

جب کہ پوٹن نے یورپی یونین کے اس غیر ذمہ دارانہ رویے کو مدنظر رکھتے ہوئے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ "مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ معاہدہ بغیر سوچے سمجھے اور غیر پیشہ ورانہ نوعیت کا ہے۔ گیس کی سپلائی کے متعلق مذاکرات میں مین سپلائر کو نظر انداز کرنا درست نہیں۔"

اس کا مطلب ہے کہ پوٹن یوکرائن کے یورپی یونین کے ساتھ معاہدوں کو سنجیدگی سے لے رہے ہیں کیونکہ روس کا یوکرائن پر کنٹرول درحقیقت یورپ کو کنٹرول کرنے کے مترادف ہے۔ روس بھی اب یوکرائن کو بائی پاس کرکے گیس کی ترسیل کے لئے متبادل راستے تلاش کر رہا ہے تاکہ یوکرائن پر دباؤ بڑھایا جاسکے، ماسکو بھی یوروپین کمپنیوں کے ساتھ گیس پائپ لائنز کے معاہدے کر رہا ہے، حال ہی میں "نارتھ اسٹریم" منصوبے میں یوکرائن کو بائی پاس کیا گیا ہے، جس میں بالٹک سمندر کے نیچے سے گیس کی پائپ لائن کو جرمنی تک پہنچایا جائے گا، یہ معاہدہ یوکرائن کے لئے تشویش کا باعث ہے حالانکہ یورپ کے لئے یوکرائن اور روس کے معاملات کا معمول پر آنا ناگزیر ہے، اگر معاملات معمول پر نہیں آتے تو "نابوکو" پائپ لائن جو کہ بحیرہ قذوین سے گیس ترکی تک لے جاتی ہے بھی متاثر ہوسکتی ہے، یوکرائن اپنی گیس پائپ لائنز کی تعمیر نو کے لئے روس سے ۵.۵ بلین ڈالر کی امداد کی اپیل بھی کرچکا ہے مگر روس یوکرائن کی گیس کمپنیوں کی رائیلٹی چاہتا ہے جس پر یوکرائن کی وزیر اعظم "یولیا نائی موشنکو" نے انکار کرتے ہوئے یورپین یونین سے امداد کی توقع کو ظاہر کیا تھا، جس پر روسی وزیر اعظم پوٹن نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر یہ (معاہدہ) روس کے مفادات کو نظر انداز کرنے کی شروعات ہے تو یہ بہت غلط اقدام ہے۔"

اس بیان کے بعد بھی جو پوٹن نے یوکرائن اور یورپی یونین کے درمیان بڑھتی ہوئی قربت کو مدنظر رکھتے ہوئے دیا تھا کافی دوررس اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ پچھلے دنوں لندن میں ہونے والی G20 کانفرنس میں بھی یوکرائن اور روس کے معاملات کو زیر بحث نہیں لیا گیا تھا جس کی وجہ سے یورپی ممالک کے سربراہوں کی جانب سے اوبامہ پر تنقید بھی کی گئی تھی حالانکہ موجودہ حالات میں معاشی بحران کے بعد یورپی ممالک کے لئے سب سے اہم ایشو یوکرائن کا مسئلہ ہے۔ یوکرائن یورپ کے لئے گولڈن روٹ ہے جو کہ روس کے ساتھ کشیدگی کی وجہ سے کھٹائی میں پڑا ہوا ہے، اس معاشی بحران کی وجہ سے روس کی گیس کی قیمتوں میں یورپی ممالک کی مارکیٹوں میں کافی کمی آئی ہے، جو کہ ۲۰۰۸ء میں ۳۷ بلین ڈالر سے کم ہوکر ۴۰ بلین ڈالر تک پہنچ چکی ہے لیکن پھر بھی روس کی معیشت سنبھلی ہوئی ہے۔ حال ہی میں ترکمانستان کے صدر "گورمن گولی" نے ماسکو کا دورہ کیا جس میں ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا تھا، اس دورے میں روس کے ساتھ کسی بھی قسم کے معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے لیکن گیس کی سپلائی کے معاملات میں اتفاق رائے ہوگیا تھا، روس بحیرہ قذوین کے مشرقی ساحل سے گیس کی پائپ لائن کو ترکمانستان کے راستے نکالنے کا ارادہ رکھتا ہے جس پر کافی حد تک پیش رفت بھی ہوچکی ہے۔

یہ ارادہ ۲۰۰۷ء میں کیا گیا مگر اس پر روس کی سب سے بڑی کمپنی "گاز پروم" کو کچھ تحفظات تھے جس کی وجہ سے کوئی معاہدہ نہ ہوسکا لیکن اب پھر روس اس روٹ کو استعمال کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے، روس وسطی ایشیاء کے سارے روٹ پر اپنا قبضہ چاہتا ہے تاکہ آئندہ یورپ کو اس کی مرضی کے بغیر ایک کیوبک گیس بھی نہ دی جاسکے۔ جس میں پوٹن کی زیر نگرانی روس کافی حد تک کامیاب ہوچکا ہے، دوسری طرف روس ترکمانستان کے سارے قدرتی ذخائر خریدنے کا ارادہ بھی رکھتا ہے، اسی دوران "گاز پروم" کے چیف ایگزیکٹو "الیکسی ملر" نے ترکی کا دورہ بھی کیا اور ایک معاہدہ کیا جس کو "بلیو سٹریم" پائپ لائن کا نام دیا جو کہ گیس ترکی کے ذریعہ یورپ کو پہنچائے گا، اس معاہدے کی پہلی پائپ کی تعمیر کا کام ۲۰۰۳ء میں ہوا تھا جو کہ گیس کی قیمتوں پر جھگڑے کی وجہ سے کھٹائی میں پڑا رہا۔ یہ پائپ لائن ۱۶ بلین کیوبک گیس لے جانے کی صلاحیت رکھتی ہے، اب روس یوکرائن کی اہمیت کو عالمی سطح پر ختم کرنے کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے کیونکہ یوکرائن میں صرف پائپ لائن کی کمپنیاں ہیں جو کہ روس سے گیس یورپ پہنچاتی ہیں یوکرائن کے اپنے قدرتی وسائل روس کے مقابلے میں کافی کم ہیں جس وجہ سے روس متبادل راستوں سے گیس یورپ تک پہنچانے کی حکمت عملی پر غور کر رہا ہے، جو کہ یوکرائن کے لئے نہایت ہی تشویش ناک امر ہے روس آذربائیجان سے بھی نئی گیس پائپ لائن کا معاہدہ کر رہا ہے جس کے تحت گیس یورپ کے ساتھ ساتھ اسرائیل کو بھی دی جاسکے گی۔ یہ سارے کے سارے متبادل راستے اور معاہدے اسی معاہدے کا نتیجہ ہیں جس میں یوکرائن کے صدر اور وزیر اعظم نے ۲.۵ بلین یورو کا قرضہ لینے کی درخواست کی تھی، جس کے بعد "گاز پروم" نے بھی یوکرائن کے ساتھ جاری مذاکرات کو ختم کردیا تھا اور روسی صدر دمتری نے بھی ۵.۵ ملین ڈالر قرضے کی درخواست کو نامنظور کردیا۔

جس کے سبب روس اور یوکرائن کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی تھی جس کا براہ راست اثر یورپی ممالک پر پڑا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یوکرائن کو گیس کی پائپ لائنز کو نئے سرے سے بنانے کے لئے رقم درکار ہے جس میں یوکرائن کی سب سے بڑی پائپ لائن کمپنی "ناف ٹوگاز" کی پائپ لائنز ناکارہ ہوچکی ہیں، جن کی مرمت کی اشد ضرورت ہے جس پر روس نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس کی رائیلٹی حاصل کرنے کی بات کی، جس پر یوکرائن نے انکار کیا اور براہ راست یورپی یونین سے مدد کی درخواست کی جو کہ روس کو اچھی نہیں لگی، عالمی تجزیہ نگاروں کے مطابق روس یوکرائن اور یورپی یونین کے درمیان ہونے والے معاہدوں کو سبوتاژ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، پوٹن ایک دور اندیش حکمراں کے طور پر عالمی سطح پر اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوچکے ہیں اس کی بدولت آج روس یورپی ممالک کو بلیک میل کرنے میں کامیاب ہوچکا ہے ورنہ ایک دور وہ تھا جب سوویت یونین کے بکھیرنے سے مغرب کو سب سے زیادہ فائدہ ہوا اور روس کے قدرتی ذخائر کو کوڑیوں کے بھاؤ خرید کر اس سے استفادہ شروع کردیا، اس وقت چین کی اقتصادیات نے بھی ترقی کرنا شروع کردی تھی جس پر امریکہ کو تشویش لاحق ہوئی لیکن چین نے پہل کرتے ہوئے روس کو مضبوط کرنا شروع کردیا تھا کہ روس چین کی بڑھتی ہوئی معیشت کا دفاع کرسکے جس میں چین کامیاب رہا اب عسکری اعتبار سے روس اور معاشی لحاظ سے چین امریکہ کے مدمقابل آچکا ہے، حالانکہ معاشی بحران کی وجہ سے یورپ بری طرح متاثر ہوا ہے لیکن چین اور روس کی معیشت پر اتنا گہرا اثر نہیں پڑا، اسی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے اب روس یورپ کی واحد سپر پاور بننے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ عالمی تجزیہ نگار روس کی اس حکمت عملی کو پوٹزم (Putinism) کا نام دے رہے ہیں، مغربی تجزیہ نگار "آسٹرین ڈرمٹیڈرڈ" کے مطابق روس کا اصل ہدف یوکرائن کی سب سے بڑی کمپنی "ناف ٹوگاز" (Neftogaz) کو ٹیک اوور کرنا ہے، مغرب کے مشرقی ممالک کو ۹۰ فیصد گیس روس کی "گاز پروم" کمپنی فراہم کرتی ہے اور یہ گیس یوکرائن کی کمپنی "ناف ٹوگاز" کے پائپوں کے ذریعے یورپ تک جاتی ہے، "ناف ٹوگاز" کمپنی کو یوکرائن کی حکومت نے روسی دیوہیکل کمپنی گاز پروم کی تحویل میں دینے سے انکار کردیا جس پر روسی حکام نے وہی گیس کسی دوسرے راستے سے یورپ پہنچانے کی کوششیں شروع کردی ہیں تاکہ یوکرائن کی اہمیت کو یورپی ممالک میں کم کیا جاسکے، روس وسطی ایشیا میں اپنے مفادات کے منافی کوئی بھی عمل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا، اس کا نمونہ کچھ عرصہ پہلے جارجیا پر حملہ کی صورت میں نظر آچکا ہے، عالمی سطح پر بھی روس کا بال بھی بانکا نہیں کیا جاسکا کیونکہ چین روس کے مفادات کا محافظ بن چکا ہے، اس سرد جنگ میں روس اور چین کی کامیابی کو یقینی قرار دیا جا رہا ہے اب دیکھنا ہے کہ امریکہ کا سب سے بڑا مددگار یورپ امریکہ کو کس طرح بچا سکتا ہے یا پھر یورپ کی توجہ امریکہ سے ہٹا کر روس پر مرکوز کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اب یورپ توانائی کے حصول کے لئے روس کو امریکہ سے زیادہ ترجیح دے رہا ہے۔ جس کی وجہ سے عالمی سطح پر بڑی تبدیلی کی توقع کی جارہی ہے۔ ●●

عالمی صنعتی و معاشی طاقتوں کا گٹھ جوڑ

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

سکندر اعظم نے پوری دنیا فتح کی اور اس پر اپنی عمر کے آخر تک حکومت کی، دنیا کی حکومت اور خزانوں کا ملک ہونے کے باوجود جب سکندر اعظم فوت ہوا تو اس نے وصیت کی کہ میرے ہاتھ کفن سے باہر پھیلا کر رکھنا، وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا تاکہ لوگ دیکھیں کہ فاتح عالم دنیا سے خالی ہاتھ واپس جا رہا ہے۔ انسان کی پیٹ کی خواہش اور پیٹ کے نیچے کی خواہش شاید کبھی ختم نہیں ہوتی، ایک حدیث مبارکہ میں آپ نے فرمایا کہ "انسان کے پاس ایک سونے کی وادی آجائے تو وہ چاہے گا کہ ایک اور بھی آجائے اور ایک اور آجائے تب بھی وہ چاہے گا کہ ایک اور بھی آجائے" عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ زندہ رہنے کی تمنا اور دولت کی حرص میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ انسان چار کندھوں پر لے جاکر منوں مٹی کے نیچے دبا دیا جاتا ہے وہ صبح شام دیکھتا ہے دنیا میں خالی ہاتھ آنے والے خالی ہاتھ ہی واپس جا رہے ہیں لیکن افسوس ہے انسان کی فکر پر کہ وہ انبیاء کی تعلیمات کو چھوڑ کر خواہشات نفسانی میں شیطان کی پیروی میں کھو جاتا ہے۔

اس وقت پوری دنیا کی دولت ایک ظالمانہ نظام سرمایہ داری کے باعث یورپ کی طرف کھنچی چلی جارہی ہے۔ یورپ میں دنیا کی کل ۱۴ فیصد سے کم آبادی رہائش پذیر ہے جب کہ ۶۵ فیصد سے زائد وسائل ان کے قبضے میں ہیں اور پوری دنیا میں اسلحے پر خرچ ہونے والی رقم میں سے ۷۲ فیصد رقم صرف مغربی ممالک اپنی افواج پر خرچ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض ممالک تو اس قدر خوشحال ہیں کہ ان کی فی کس سالانہ آمدنی چالیس ہزار امریکی ڈالروں سے بھی زیادہ ہے، یعنی اگر ایک گھر میں چھوٹے بڑے پانچ افراد رہتے ہیں تو ان کی کل سالانہ آمدنی دو کروڑ امریکی ڈالر ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی دولت کا ایک حصہ دنیا پر خرچ کریں وہ اب بھی اس فکر میں ہیں کہ دنیا کے پاس ان کو سود در سود ادا کرنے کے بعد بھی اگر کچھ وسائل بچ گئے ہیں تو ان پر کس طرح قبضہ کیا جائے۔ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی غربت، جہالت، پسماندگی، بیماری اور بدامنی کی بنیادوں پر یورپی اقوام نے اپنے لئے عیش وآرام اور تعیشات ومفرحات کے بلند وبالا محل تعمیر کر رکھے ہیں لیکن ان کی حرص، طمع، لالچ، خود غرضی شاطلا کیت اور ہل من مزید کے رویے میں نہ صرف یہ کہ کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دنیا کی آٹھ بڑی بڑی امیر ترین مملکتوں نے دنیا میں معاشی استحصال کا بازار مزید گرم کرنے کے لئے باہمی تعاون کا پروگرام بنایا ہے۔ ان طاقتوں کا سامراجی گروہ جی ایٹ کہلاتا ہے۔

سعودی عرب کے جرأت مند حکمراں شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پرعزم اور آزاد پالیسیوں کے باعث ۱۹۷۳ء کے تیل کے بحران کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال پوری دنیا کے لئے عام طور پر یورپ اور امریکہ کے لئے خاص طور پر بہت پریشان کن تھی۔ اقوام متحدہ نے ۱۹۷۴ء میں اس طرح کے بحرانوں سے نمٹنے کے لئے دنیا کے پانچ بڑے بڑے ممالک کے وزارت ہائے خزانہ کے سینئر عہدیداروں کو اکٹھا کیا۔ نومبر ۱۹۷۵ء میں دنیا کے چھ بڑے بڑے صنعتی ومعاشی طاقت کے حامل ممالک کے سربراہوں کو فرانس کے صدر نے مدعو کیا اور انہوں نے اپنے معاشی مفادات کے تحفظ کے لئے باہمی تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا۔ جی-۶ کے نام سے فرانس، امریکہ، برطانیہ، جرمنی، جاپان اور اٹلی اکٹھے ہوگئے اور انہوں نے سربراہان حکومت یا سربراہان مملکت کی سطح پر سال بھر میں کم از کم ایک بار اجتماع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس تنظیم کے قیام کا مقصد دنیا کے تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی ومعاشی حالات کے مقابلے کے لئے مل کر پالیسیاں بنانا اور دوسری دنیاؤں کے مقابلے میں اپنی قوم کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا شامل تھا۔ ۱۹۷۶ء کی سربراہ کانفرنس میں کینیڈا بھی ان میں شامل ہوگیا اور یوں یہ گروپ سکس سے گروپ سیون بن گیا، ۱۹۷۷ء میں لندن میں ہونے والی سربراہ کانفرنس میں یورپی یونین بھی اس تنظیم میں شامل ہوگئی لیکن چونکہ یہ کوئی ایک ملک نہیں تھا اس لئے اس کے نام میں کوئی فرق نہ پڑا تاہم یونین کا صدر اب تک ہونے والے سربراہ اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتا ہے۔ اس کے بعد کئی سالوں تک دنیا کے اور ممالک بھی اس گروپ کے اجلاس میں کسی نہ کسی حیثیت سے شرکت کرتے رہے لیکن انہیں باقاعدہ رکنیت نہ دی گئی تا آنکہ گزشتہ صدی کے آخر میں روس جب اس گروپ میں شامل ہوا تب سے اس کا نام گروپ آٹھ (Group یا مختصراً G8) پڑ گیا۔

اس گروہ کا طریقہ عمل دوسری تنظیموں سے بالکل جدا ہے، اس کا کوئی مستقل سربراہ نہیں اور نہ ہی کوئی مرکزی دفتر ہے، ہر سال کے آغاز پر یکم جنوری کو ایک ملک اس کی نگرانی سنبھال لیتا ہے اور سال بھر کے جملہ تحریکات وہیں وقوع پذیر ہوتے ہیں جن میں سربراہ اجلاس بھی شامل ہوتا ہے جی آٹھ کا سالانہ سربراہ اجلاس باری باری ہر ملک میں ہوتا ہے جس کی ترتیب میں سب سے پہلے فرانس، پھر امریکہ، پھر برطانیہ، پھر روس، پھر جرمنی پھر جاپان، پھر اٹلی اور آخر میں کینیڈا کی باری آتی ہے۔ ایک چکر پورا ہوجانے کی بعد پھر سے اسی ترتیب سے تین روزہ سالانہ سربراہ اجلاس سال کے وسط میں اسی ترتیب سے ہر ہر ملک میں منعقد ہوتا ہے۔ اس گروہ کا دائرہ کار میکرو اکنامکس کے انتظامات، بین الاقوامی تجارت اور چھوٹے اور ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات کی بڑھوتری ہے۔ اس کے علاوہ مائکرو اکنامکس کے جملہ موضوعات جن میں بے روزگار تیزی رفتار ترقی کی حامل ٹکنالوجی، ماحولیات، جرائم، منشیات، انسانی حقوق، عدالتی معاملات، توانائی کے شعبے خارجہ اور داخلہ امور اور اسلحے کی دوڑ شامل ہیں یہ موضوعات بھی اس گروہ کی سربراہ کانفرنس میں زیر بحث آتے ہیں۔ کتنی حیرانی کی بات ہے کہ ایک مختصر خبر کے ذریعے اطلاع آتی ہے کہ جی آٹھ کے سربراہ اکٹھے ہوئے اجلاس شروع ہوا اور پھر اجلاس ختم بھی ہوگیا، لیکن ان کے فیصلے دنیا کے حالات پر اپنے گہرے اور ان مٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں اس کے مقابلے میں ہفتوں پہلے سے شور مچنے لگتا ہے کہ اسلامی سربراہ اجلاس منعقد ہونے والا ہے، نئی نئی عمارات بنتی ہیں۔ لاکھوں نہیں کروڑوں نہیں، اربوں کے اخراجات ایک اجلاس پر اٹھتے ہیں وفود کی فوج ظفر موج جمع ہوتی ہے ایک تماشا لگا ہوتا ہے لیکن اس کا دنیا پر کیا خود اسلامی ممالک کے حالات پر رتی برابر فرق نہیں پڑتا۔ یہ فرق ہے بیدار مغز قیادت اور خالی الذہن قیادت میں۔

ہر سربراہ اجلاس کے بعد تقریباً سارا سال ان ملکوں کے نمائندے ملتے رہتے ہیں اور ہونے والے فیصلوں پر عملی تدابیر کرتے ہیں۔ اگلے سربراہ اجلاس میں پھر گزشتہ سال کی رپورٹ اور آئندہ سال کی منصوبہ بندی طے کرلی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے جی آٹھ ممالک نے اپنا ایک منصوبہ کار ترتیب دے رکھا ہے جس کے تحت ان ممالک کے وزراء ایک ترتیب کے مطابق سارا سال باہمی اجتماعات منعقد کرتے رہتے ہیں۔ ان اجتماعات میں زیادہ اہم ان کے وزرائے خزانہ، وزرائے خارجہ اور وزرائے ماحولیات کے اجتماعات شامل ہیں۔ ان اجتماعات میں ذیلی گروہ تشکیل دیئے جاتے ہیں جن میں ان ممالک کی نچلی سطح کی انتظامیہ اور سیاسی قائدین شامل ہوتے ہیں جو سال میں کئی دفعہ سب کے سب یا پھر صرف متعلقہ ملکوں کے نمائندوں کو ہی شامل کرکے ان اقدامات اور سفارشات پر عملدرآمد کو یقینی بناتے ہیں جو ان کے بڑوں نے فیصلے کیے ہوتے ہیں۔ دنیا میں زندہ لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ جو اس نوعیت کے اجتماعات پر نظر رکھتے ہیں اور اس موقع پر ان اجتماعات کے مقاصد کے خلاف یورپ کے ہی ملکوں میں بڑے بڑے مظاہر ترتیب دیتے ہیں اور اپنی حکومتوں کو اور دوسری دنیاؤں کو شرم سے پانی پانی کرتے ہیں اور گویا اعلان کرتے ہیں سونے والو تم بھی جاگو اور اوران وڈیرے ساہوکاوں کے عزائم پر کڑی نظر رکھو۔ اسکاٹ لینڈ کے شہر ایڈن برگ میں اکتیسویں سربراہ اجلاس کے موقع پر سوا دو لاکھ افراد نے اتنا بڑا مظاہرہ کیا کہ شہر کی گلیاں تک جام ہوگئیں۔

فرانس اور برطانیہ نے دُنیا کے پانچ دیگر ملکوں کو بھی اس گروہ میں شامل کرنے پر بہت زور دیا ہے، ان ملکوں میں برازیل، چین، انڈیا، میکسیکو اور جنوبی افریقہ شامل ہیں۔ یہ ممالک گزشتہ کئی اجلاسوں میں اس گروپ کے اجتماعات میں شامل بھی ہوتے رہے ہیں اس موقع پر ان کو گروپ آٹھ اور پانچ (G8+5) کہا جاتا تھا۔ حال ہی میں فرانس، اٹلی اور جرمنی نے مصر کو بھی ان ممالک میں شامل کرنے کی مہم چلا رکھی تھی اور یوں مصر کو اس بات کا صلہ مل جاتا کہ اس نے امت مسلمہ سے غداری کرکے تو اسرائیل جیسی ناجائز ریاست کو تسلیم کر رکھا ہے اور غزہ کے مجاہدین تک دوائیاں، خوراک اور اسلحہ نہ پہنچا کر ان عالمی ساہوکاروں کو خوش کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہوگیا تب اس گروپ کا نام جی آٹھ کی بجائے جی چودہ ہوجائے گا۔

حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے صبح کو سورج طلوع ہوتا ہے نصف النہار تک پہنچتا ہے اور پھر غروب بھی ہوجاتا ہے، سایہ صبح کو ایک طرف ہوتا ہے تو شام کو دوسری طرف آجاتا ہے۔ آج دنیا کو دولت لوٹنے والے اور اپنے بنکوں کے تہہ خانوں کو سونے کی اینٹوں سے بھرنے والے کب تک اپنے انجام سے بچ سکیں گے؟ سونے چاندی کی کرنسی سے کاغذ کی ضمانت والی کرنسی اور پھر پلاسٹک کی غیر ضمانتی کرنسی تک انسانوں کو لے آنے والے اور سود کے مکروہ جال سے انسانیت کو شکار کرنے والوں کی حقیقت سے انسانیت آگاہ ہوچکی ہے۔ افریقہ کے قحط، ایشیا کی بدامنی اور امت مسلمہ کے خون کی ارزانی اب بہت جلد اپنا رنگ لانے والی ہے کہ ظلم کی عمر زیادہ طویل نہیں ہوتی۔ ●●

تاریخ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا

رؤف عامر پپا بریار

جبران نے کہا تھا کہ تاریخ انسانی جذبات کی بجائے حق وصداقت کی رو سے اپنے فیصلے صادر کرتی ہے۔ برطانیہ کے عالمی شہرت یافتہ شاعر Red Coupling نے افغانستان کے حوالے سے ایک نظم بعنوان The Young Brithish Soldiers لکھی تھی جس میں شاعر نے فوجی جوانوں کو کابل جانے کی بجائے خودکشی کرنے کی نصیحت کی تھی کیونکہ افغانوں کے ہاتھوں مرنا نہایت بھیانک ودل گداز ہے۔ وائٹ ہاؤس کے کیمیادان اور دس ڈاؤننگ اسٹریٹ کے وارثان اگر اپنے شاعر کی اس نظم پر آج بھی غور وفکر کریں تو وہ کابل سے عزت مگر بے نیل ومرام پلٹنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ افغانستان کی تاریخ کو روئے ارض کے پہلے فاتح عالم سکندر اعظم سے لے کر نائن الیون تک اور پھر ٹونی بلیئر وبش کے گٹھ جوڑ سے اوبامہ تک کھنگالا جائے تو یہ سچائی روز روشن کی طرح رقص کرنے لگتی ہے۔ افغانستان پر جارحیت کرنے والی ہر فوج کے مقدر میں ناکامی کا توشہ آیا۔ سرزمین افغان کو بیرونی حملہ آوروں کا قبرستان بھی کہا جاتا ہے۔ امریکہ اور حلیف ریاستوں کی افواج قاہرہ پچھلے آٹھ سالوں سے دہشت گردوں کو راندہ درگاہ بنانے میں جتنی ہوئی ہے۔ کیا ناٹو کا یہ عمل حقیقت پسندانہ ہے؟ کابل میں ناٹو فورسز کے پچپن ہزار فوجیوں کے علاوہ افغان نیشنل آرمی کے ۸۰ ہزار فوجی مزاحمت کاروں کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ عسکری ماہرین کے مطابق ملکی دفاع کے لئے افغان نیشنل آرمی کو ڈھائی لاکھ فوجی درکار ہیں۔ ناٹو اور افغان نیشنل آرمی کے جدید ترین جنگی طیارے میزائل ٹینک اور جراثیمی ہتھیار بے سائبان وبے خانماں جنگجوؤں کو ہلاک تو کرسکتے ہیں مگر انہیں شکست دینا ناممکنات میں شامل ہوچکا ہے۔ افغانی سکندر اعظم کے دور سے جارح و دراندازوں قوموں کے ساتھ لڑتے آرہے ہیں۔ گوریلا جنگ اور کئی گنا طاقتور فوجی لشکر کو شکست دینا افغانیوں کی فطرت ثانیہ کا لازمی جز بن چکی۔ بڑی قوموں میں محض اس وجہ سے کہ وہ بڑی اور ناقابل تسخیر طاقتیں ہیں غرور وتکبر کے رنگین جال میں پھنس جاتی ہیں۔ غرور چونکہ اپنے آپ کو فریب دینے کا دوسرا نام ہے سو یہی فرعونیت اُن کی ذلت کا سبب بن جاتی ہے۔ برطانیہ کو شکست کا ذائقہ اس وقت چکھنا پڑا جب وہ عالمی استعمار کا سربراہ تھا۔ افغانستان کی خودمختاری کی دیوار میں نقب لگانے والی برطانوی فوج کی کابل گریژن پلاٹون کا صرف ایک سپاہی William Briden زندہ بچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ افغان سرفروشوں نے ولیم کو اپنی مرضی سے واپس جانے کا موقع فراہم کیا تھا تاکہ وہ کابل میں اپنے فوجی بھائیوں کی درگت اور ہزیمت کی تازیانہ عبرت داستانوں کا آنکھوں دیکھا حال واحوال برطانوی کو سنا سکے۔ ریڈ کپلنگ نے اپنی نظم کے آخر میں نصیحت آموز اشعار قلمبند کئے تھے، ان کا مفہوم تھا اگر تم وہاں زخمی ہوکر زمین پر گر پڑو تو یاد رکھو برقعہ اوڑھنے والی افغان خواتین گھروں سے نکل کر تمہاری ارواح کی قفس عنصری کی پرواز کا بندوبست کریں گی۔ بہتر ہوگا کہ تم اپنی بندوق سے اپنے سر کو بھون ڈالو اور خدا کی عدالت میں ایک فوجی کی حیثیت سے حاضر ہوجاؤ۔ قرائن سے صاف نظر آتا ہے کہ وائٹ ہاؤس کے فلاسفروں کو ریڈ کپلنگ کی شاعری سے کوئی شغف نہیں ورنہ اوبامہ کابل کے لئے مزید سترہ ہزار فوجیوں کی منظوری کا احمقانہ اعلان نہ کرتے۔ افغانستان میں ناٹو کے پچپن ہزار جوان موت کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ ۲۰۰۱ء کے امریکی حملے کے بعد تورابورا کی پہاڑیوں سے لے کر ملک کے چپے چپے پر کارپٹ بمباری کی گئی۔ بش کا خیال تھا کہ اگر اس مشق ستم میں افغانیوں کو ختم نہ بھی کیا گیا تو کم از کم اُن کے کس بل ضرور نکل جائیں گے مگر یہ خیال خام ثابت ہوا گورے فوجیوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ دراندازوں فوجیوں کی پے در پے اموات اور طالبان کی طلسماتی بہادری نے ناٹو کے سورماؤں کے دل دہلا ڈالے کہ ناٹو کی اسی فیصد فوج نفسیاتی عوارض کا نشانہ بن چکی ہے۔ پتوں کی ہلکی سرسراہٹ اُن کے من میں موت کا خوف دوڑا دیتی ہے۔ ذہنی مرض ڈیپریشن خود کلامی کرنا ناخن چبانا بہکی بہکی باتیں کرنا خودکشی کی کوشش کرنا ناٹو فوجیوں کو اپنا ہمنوا بنا چکے ہیں۔ ایساف کے جوان لڑائی تو درکنار کابل کی گلیوں میں گشت کا نام سن کر بھی آہ وفغاں شروع کردیتے ہیں۔ ناٹو کے سپاہی موت سے بچنے کے لئے نت نئے طریقے اپناتے ہیں۔ ترکی کے ۸۰۰ فوجی کابل میں ریسکیو کی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔

باقی صفحہ ۵ پر

POSTED ON 11 May 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41 / 2009 - 11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in, dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009-2011 & DL (S)- 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

احوال وکوائف
شفیق الرحمٰن

دامن کو ذرا دیکھ......

گزشتہ دنوں صدر امریکہ کے حکم پر سی آئی اے کے طریقہ تفتیش سے متعلق بعض خفیہ دستاویزات کی اشاعت سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے امریکہ کے عقوبت خانوں میں جو افراد قید ہیں ان کو محض اس بنا پر سخت ایذائیں دی گئیں کہ اس دق سے تنگ آکر وہ اس کا اقرار کرلیں کہ ہاں وہ مجرم ہیں اور ان پر جو الزامات عائد کئے جارہے ہیں ان میں بھی صد فیصد سچائی پائی جاتی ہے تاکہ ایک تیر سے کئی شکار کئے جاسکیں۔ یعنی ان کے لئے تو 'قرار واقعی' سزا تجویز کرہی دی جائے۔ ساتھ ہی ان ملکوں پر بھی اس حوالے سے شکنجہ کسا جاسکے جن ملکوں کے یہ باشندے ہیں۔ اگر ضرورت محسوس کی جائے تو ان 'مجرموں' کو دار پر نہ چڑھا کر ان کو بطور ہتھیار استعمال کیا جاسکے اور مطلوبہ اہداف کے حصول میں ان سے مدد لی جائے، ان خفیہ دستاویزات کے سامنے آنے سے یہ حقیقت بھی کھل گئی کہ جس بے جا کا شکار بننے والے ان مجرموں کو نیچے کے یا معمولی افسروں کی غلطی کے سبب تکلیفیں نہیں اٹھانی پڑی تھیں بلکہ اس کا فیصلہ اعلیٰ ترین سطح پر کیا گیا تھا اس لئے کہ اس سلسلے میں نائب صدر ڈک چینی، وزیر دفاع ڈونالڈ رمس فیلڈ، وزیر خارجہ کونڈ ولیزا رائس تک کے نام لئے گئے ہیں، واضح رہے کہ ان خفیہ دستاویزوں کی اشاعت کے فوراً بعد ہی سینیٹ کی ایک رپورٹ پر بھی بحث شروع ہوگئی جس نے یہ راز کھولا کہ یہ کارروائی کوئی اتفاقی عمل نہیں تھا بلکہ ایک سوچا سمجھا فیصلہ اور شعوری طور پر اٹھایا جانے والا قدم تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ امریکی حکومت کی پالیسی کا ایک حصہ تھا تو غلط نہ ہوگا۔ اس کے باوجود وحشیانہ طریقہ اختیار کرنے والے دلیرانہ پھرتے رہے،

اس کی تازہ مثال بارک حسین اوباما انتظامیہ کی ہے جس نے اس وحشیانہ طریقے پر عمل کرنے کا جرم کرنے والوں کے خلاف تادم تحریر کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ الٹا سی آئی اے کے افسروں کا دفاع کیا۔

مذکورہ خفیہ دستاویزوں کی اشاعت اور پھر سینیٹ کی رپورٹ پر بحث نے گویا اس نوع کی تحریروں اور جائزہ رپورٹوں کی اشاعت کے لئے دروازہ ہی کھول دیا۔ اس قسم کی ایک اور رپورٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور اس کے لئے کسی ایک انتظامیہ کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ امریکہ اس پر پچھلے پچاس برسوں سے عمل پیرا ہے۔ اس میں ڈیموکریٹ اور ری پبلکن کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ دونوں پارٹیوں کے دور حکومت میں اس پر عمل رہا ہے۔ اپنے مخالفین کو ایذا پہنچانا، ان کے قیدیوں پر تشدد کرنا یہاں تک کہ انہیں حیوانی افعال کے ارتکاب پر مجبور کرنا کوئی نیا طریقہ نہیں ہے۔ ہر دور میں ایسا ہوتا رہا ہے اور دنیا میں جتنی بھی تفتیشی ایجنسیاں موجود ہیں وہ اس کو ایک مؤثر حربے کے طور پر استعمال کرتی رہی ہیں۔ آج بھی کررہی ہیں۔ ایک زمانے میں کے جی بی بھی کام کرتی تھی۔ شاہ ایران کے عہد میں وہاں کی بدنام زمانہ ساواک نے انقلاب ایران کے حامیوں کے ساتھ یہی سلوک کیا، افغانستان کی خاد نے سوویت یلغار کے دور میں ان کے ہاتھ لگ جانے والے افغان مجاہدین کو سبق سکھانے اور راستے پر لانے کے لئے یہی طریقہ اپنایا۔ لیکن یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو تاریک ہے۔

اس کا ایک دوسرا اور روشن وتابناک چہرہ بھی ہے ضرورت اس رخ زیبا کو سامنے لانے کی ہے۔ وہ تصویر اسلام کے نظام عدل کی ہے۔ اسلام نے یہ آداب سکھائے ہیں کہ نہ تو بے بنیاد الزام لگا کر کسی کو پکڑا جائے اور نہ کوئی ایذا پہنچا کر اقبال جرم کرایا جائے۔ اس نے تعزیریں ضرور مقرر کی ہیں اور تادیبی احکام بھی دیئے ہیں مگر ملزم کو دفاع کا پورا پورا حق دیا ہے اور اس کے مواقع فراہم کئے ہیں۔ اسلام کا درخشاں ماضی اس کا گواہ ہے۔ یہاں تک کہ دور متوسط میں بھی عدل گستری کی ایسی مثالیں مل جائیں گی جن کا مغرب کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس کے باوجود 'مہذب دنیا' یہ پھبتی کستی ہے کہ اسلامی تعزیرات دور 'وحشت کا قانون' ہے، مغرب کو یہ کہنا بالکل زیب نہیں دیتا؛ یہ چاند پر خاک اچھالنے کے مترادف ہے۔

●●

زرداری کے ساتھ واضح اشتراک کا عہد

صدر امریکہ بارک حسین اوباما کی انتظامیہ نے میڈیا کی تمام قیاس آرائیوں کو کنارے لگاتے ہوئے صدر پاکستان آصف علی زرداری کیساتھ واضح اشتراک وتعاون کا عہد کیا ہے۔ میڈیا نے یہ تاثر دینا شروع کردیا تھا کہ امریکہ صدر زرداری کے سیاسی حریف نواز شریف کو پاکستان میں متبادل کے طور پر سامنے لانا چاہتا ہے۔

افغانستان اور پاکستان کے امور کے حوالے سے خصوصی امریکی نمائندہ رچرڈ ہالبروک نے ایوان کی کمیٹی برائے امور خارجہ کے سامنے پیش کردہ اپنے بیان میں کہا ہے کہ میں کمیٹی کو بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستان اسٹریٹجک اور سیاسی طور پر امریکہ کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ملک ہے اور وہاں کے صدر آصف علی زرداری کی قیادت والی منتخب جمہوری حکومت کو مستحکم بنانے کے لئے ہمیں واضح تائید وحمایت کا پابند ہونا چاہئے۔ بارک حسین اوباما اور آصف علی زرداری کے درمیان ملاقات کے موقع پر رچرڈ ہالبروک نے میڈیا کی اس سوچ کا حوالہ بھی دیا کہ اوباما انتظامیہ صدر آصف علی زرداری سے دور اور ان کے سیاسی حریف نواز شریف سے قریب ہوتی جارہی ہے اور کہا کہ اس میں کوئی صداقت نہیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو صدر بارک حسین اوباما پاکستان کو امریکہ آنے کی دعوت کیوں دیتے اور ان کی حکومت کو اضافی رقم فراہم کرنے کی یہاں باتیں کیوں ہوتیں۔ رچرڈ ہالبروک نے نواز شریف اور شہباز شریف سے تعلقات کے بارے میں کہا کہ یہ تعلقات ویسے ہی ہیں جیسے تعلقات ڈیوڈ کیمرون سے ہیں جو برطانیہ میں اپوزیشن کے رہنما ہیں۔

صدر پاکستان آصف علی زرداری نے جن کے ساتھ امریکہ نے دہشت گردی کے محاذ پر غیر مبہم اشتراک کے عہد کی تجدید کی ہے، کہا ہے کہ جنگجوؤں سے ان کی ذات کو خطرہ ہوسکتا ہے، پاکستانی حکومت کو نہیں کیونکہ پاکستانی عوام نے اپنے جمہوری انتخاب کے ذریعے طالبان کو مسترد کردیا ہے۔ آصف علی زرداری نے امریکی صدر بارک حسین اوباما سے ملاقات سے قبل ایک امریکی ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ جنگجوؤں سے نہ تو پاکستان کو خطرہ لاحق ہے اور نہ ہی پاکستان کے نیوکلیائی اثاثوں کو وہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں،۔ البتہ ان کی اپنی جان خطرے میں پڑسکتی ہے۔ زرداری نے پاکستانی فوج پر اعتماد ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ فوج کی موجودگی میں ملک کا نیوکلیائی اثاثہ قطعی طور پر محفوظ ہے۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کی شکل میں امریکہ کی راست فوجی کارروائی کے پس منظر میں آصف علی زرداری نے کہا کہ دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان کو امریکی امداد کی ضرورت ہے امریکی فوج کی نہیں۔

●●

آتشزدگی سے ہزاروں افراد متاثر

لاس اینجلس۔ امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا میں لگنے والی آگ سے متعدد گھر جل گئے جبکہ ہزاروں لوگوں نے متاثرہ علاقے سے ہجرت کرلی ہے۔ امریکی ریاست کیلیفورنیا کے ساحلی شہر سانتا باربرا میں خشک جھاڑیوں میں لگنے والی آگ تیزی سے پھیل گئی اور اس نے اب تک متعدد گھروں کو جلاکر راکھ کردیا ہے۔ متاثرہ علاقے سے دو ہزار سے زائد لوگ نقل مکانی کرچکے ہیں۔

بونیر کا فوجی آپریشن

بونیر۔ پاکستان کے بونیر علاقے میں جاری فوجی آپریشن کے تحت سیکورٹی فورسز کے ذریعے ڈگر اور دیگر علاقوں کی طرف پیش قدمی جاری ہے۔ گن شپ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے مختلف مقامات پر وقفے وقفے سے فائرنگ کے علاوہ فوجی بیس کیمپ رستم سے گولہ باری بھی کی جارہی ہے۔ اس آپریشن کی وجہ سے خطے کے لوگوں کی بڑی تعداد نقل مکانی کررہی ہے۔

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر "دعوت" ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرز: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوثر ندوی، اشرف علی بستوی

بقیہ: برما میں روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار

سالوں لگ جاتے ہیں۔

اجازت مل جانے کے بعد حکومتی ادارے "فیملی پلاننگ اینڈ کونسلنگ سنٹرز" میں کئی دن قیام کرنا پڑتا ہے اور اس قیام کے لئے ایک بڑی رقم ایڈوانس میں لے لی جاتی ہے۔ ان سنٹرز میں اکثر لڑکیوں کی عزت لوٹ لی جاتی ہے۔ شادی کے علاوہ سفر اور روزگار کی اتنی پابندیاں ہیں کہ شاذ ونادر ہی کوئی روہنگیا مسلمان تعلیم حاصل کرپاتا ہے۔ فوج سڑکوں اور چھاؤنیوں کی تعمیر کے لئے روہنگیا مردوں اور عورتوں سے نہ صرف بے گار لیتی ہے بلکہ قریبی مسلمان دیہاتوں کو کہا جاتا ہے کہ وہ تعمیراتی سامان بھی فراہم کریں۔ جھونپڑیوں پر بھی ٹیکس لگادیا گیا ہے۔ مرچ کاشت کریں یا نہ کریں مرچ ٹیکس دینا لازماً پڑے گا۔ ظلم کے ناقابل یقین واقعات آئے روز سننے کو ملتے ہیں۔ روہنگیا مسلمانوں کو درختوں کے ساتھ باندھ کر ان کے جسم میں لوہے کے کیل ٹھونک دیئے جاتے ہیں۔ فوجی گھروں سے چھوٹی چھوٹی بچیوں کو اغوا کرکے لے جاتے ہیں اور ان پر جنسی تشدد کرتے ہیں۔ ظلم کے یہ واقعات گنتی کے نہیں ہیں بلکہ ان گنت ہیں مگر افسوس ہے کہ عالمی میڈیا انہیں رپورٹ نہیں کرتا اور مسلم میڈیا کے نمائندے وہاں جانے کا خطرہ مول نہیں لیتے۔ ایک طرف حکومت مسلمانوں کے خلاف وسیع پیمانے پر آپریشن کرتی ہے اور دوسری طرف متعصب بودھوں کو اشتعال دلاکر مسلم کش فسادات کراتی ہے۔ ۱۹۴۸ء سے اب تک ایک درجن سے زیادہ بڑے فوجی آپریشن ہوچکے ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں بی ٹی ایف آپریشن میں تیس ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ فروری ۲۰۰۱ء کے مسلم کش فسادات میں آٹھ سو مسلمانوں کو شہید کردیا گیا، سات سو کو اغوا کرکے لے گئے۔ ۱۹۵۰ء میں تیس ہزار، ۱۹۵۶ء میں ۱۳۰۰۰، ۱۹۶۲ء میں ۲۵۰۰۰، ۱۹۷۸ء کے آپریشن میں تین لاکھ اور ۱۹۹۱ء میں دو لاکھ ۶۵ ہزار، ۹۷-۱۹۹۶ء میں ساٹھ ہزار افراد کو بنگلہ دیش میں دھکیلا گیا۔ ۱۹۹۱ء اور ۲۰۰۰ء کے دوران فوجی آپریشنوں میں اٹھارہ سو سے زیادہ مسلم آبادیوں کو نذر آتش کیا گیا۔ دو سو سے زیادہ مساجد کو اصطبل اور ملٹری کیمپس بنادیا گیا ہے۔ صرف ۲۰۰۲ء میں چالیس مساجد کو مسمار کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۷۴ء میں دو سو خاندانوں کو سمندر میں ڈبوکر شہید کرڈالا۔ ۱۹۷۸ء میں تین ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو تھیلوں میں بند کرکے سمندر میں پھینک دیا اور ۲۰ رہنماؤں کو زندہ دفن کردیا۔ اسی سال ایک مسجد سے ۱۲۰ عورتوں کی لاشیں ملیں۔ اپریل ۱۹۷۸ء کے فسادات کے بعد اکیاب ضلع میں آٹھ ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ ۵ر اپریل ۱۹۹۲ء میں صرف ایک مسجد میں دو سو مسلمانوں کو شہید کرڈالا گیا۔ (بحوالہ دعوۃ ہائی لائٹس مارچ ۲۰۰۶ء)

فرانسیسی میگزین "Le Navil Observation" نے ۲۳ر اپریل ۱۹۹۸ء کو ایک رپورٹ میں بتایا کہ "ٹارچر کے دوران میں برمی فوجیوں نے مسلمان عورتوں کے سینے تک کاٹ دیئے"۔ بنگلہ دیشی میگزین "Bichitra" کے مطابق ۱۹۷۸ء تک ۲۶۰۰ خواتین کی عصمت دری ہوچکی تھی۔ اب یہ تعداد کئی گنا ہوچکی ہے۔ کم وبیش پندرہ لاکھ روہنگیا مسلمان ملائشیا، پاکستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب، تھائی لینڈ اور کئی دیگر ممالک میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

معہد الفاروق الاسلامی کاکس بازار بنگلہ دیش کے مدیر الشیخ نور محمد عباس آفاق کے نام اپنے خط میں روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں لکھتے ہیں:

بنگلہ دیش میں قائم اراکانی مہاجرین کی دردناک داستانیں کبھی کبھی اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ۸ر فروری کو دیش بدیش میں تین روہنگیا عورتوں کے رونگٹے کھڑے کردینے والے واقعات سامنے آئے ہیں۔ پہلا واقعہ عائشہ نامی ایک خاتون کا ہے۔ یہ خاتون اراکان کے علاقے بوسیدنگ کی رہنے والی ہے۔ اس کے خاندان نے ابوالحیات کے ساتھ اس کا رشتہ طے کیا۔ سرکاری اجازت نامہ حاصل کرنے کے لئے دو لاکھ کیات خرچ کئے، دو سال گزر گئے مگر شادی کے لئے اجازت نامہ نہ مل سکا۔ تنگ آکر شرعی نکاح کیا۔ نکاح کے باوجود سرکاری اجازت نامہ نہ ہونے کے باعث وہ اراکان میں میاں بیوی کے طور پر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے رات کے اندھیرے میں دونوں نے بنگلہ دیش کی راہ لی۔ بنگلہ دیش کے کتوپالنگ کیمپ میں ان کے ہاں دو بچیوں نے جنم لیا۔ ایک روز ابوالحیات کام کے لئے گیا مگر واپس نہ آیا۔ اس کے ساتھ کیا بیتی کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ سات ماہ بعد تیسری بچی نے جنم لیا۔ غربت وافلاس اور حالات نے اس حد تک پریشان کیا کہ اس نے پندرہ دن کی نومولود بچی کو دو ہزار ٹکا میں فروخت کردیا۔

دوسری داستان تھانہ منڈو کے گاؤں شقدار پاڑا کی سنجیدہ بیگم اور اس کے شوہر کمال حسین کی ہے۔ یہ بھی اجازت نہ ملنے پر شادی کے لئے ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ان کے ہاں بھی عبدالشکور نامی بچے نے جنم لیا۔ ایک روز کمال حسین سمندر میں مچھلی کے شکار کو گیا مگر واپس نہ لوٹ پایا، پانی میں غرق ہوگیا۔ سنجیدہ پہلے ہی مقروض تھی، قرض مزید بڑھا، بچہ بھی اور خود بھی بیمار ہوگئی۔ حالات نے اس حد تک لاچار کردیا کہ کاکس بازار میں اس نے اپنا بچہ پانچ ہزار ٹکا میں فروخت کردیا۔ دو ماہ بعد جب اپنے بچے کو ملنے گئی تو آہ وزاری کرتے اور آنسو بہاتے ہوئے لوٹی۔ تیسری داستان بھی ایسی ہی ہے۔

معاصر جریدے کریسنٹ انٹرنیشنل نے روہنگیا مسلمانوں پر تھائی لینڈ کی فوج کے مظالم کے بارے میں ایک نہایت ہی دلخراش رپورٹ شائع کی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے: جب انسانوں کے ساتھ مویشیوں یا ان سے بھی بدتر سلوک کرنا ہو تو تھائی فوج یہ کام بہترین طریقے سے کرتی ہے۔ گزشتہ دسمبر میں ہزاروں روہنگیا مسلمانوں نے اراکان میں برمی مظالم اور ناقابل برداشت غیر انسانی حالات سے تنگ آکر اپنے گھربار چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ کشتیوں میں سوار ہوکر قریبی جزیروں کی طرف چل پڑے۔ انڈومان میں یہ ستم رسیدہ لٹیروں کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لٹیروں نے ان سے رقوم لے کر کہا کہ وہ انہیں ملائشیا پہنچادیں گے۔ راستے میں تھائی بحریہ نے انہیں پکڑلیا اور بغیر انجن کی کشتیوں میں بٹھاکر سمندر میں دھکیل دیا۔ تھائی فوج کی بے رحمی اور سنگدلی کا اندازہ اس سے لگالیں کہ محض ایک واقعے میں ۱۲۲۰ افراد کو بے انجن کشتیوں میں بٹھاکر اور برائے نام خوراک دے کر اس سمندر میں دھکیل دیا جہاں آبی موجوں کی تندی وتیزی ہی انتہا کی نہیں ہوتی بلکہ شارک مچھلیاں بھی بڑی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ ایک ماہ سے بھی زیادہ عرصے بعد انڈونیشی مچھیروں کی ایک کشتی نے انہیں ۲ر فروری کو جزیرہ آچے کے قریب پایا۔ اس دوران میں پیاس اور بھوک سے تڑپ تڑپ کر ۲۲ افراد لقمہ اجل بن چکے تھے۔ ۱۹۸ کا زندہ رہنا بھی ایک معجزہ تھا۔ تھائی فوج کے تشدد کے زخم ان بچنے والوں کے جسموں پر موجود تھے۔ یہ تو ایک گروپ کی داستان ہے باقی ہزاروں روہنگیاؤں کے ساتھ کیا بیتی کچھ معلوم نہیں۔ خیال یہی ہے کہ وہ بیچارے موت سے ہمکنار ہوگئے۔

جو لوگ تھائی فوج کی سفاکی سے آگاہ ہیں، ان کے لئے یہ واقعہ قطعاً حیران کن نہیں۔ تھائی آرمی نے اکتوبر ۲۰۰۴ء میں پٹانی مسلم مظاہرین پر وحشیانہ تشدد اور فائرنگ کے بعد ایک ہزار سے زیادہ زخمیوں کو روزے کی حالت میں فوجی ٹرکوں میں اینٹوں، روڑوں کی طرح پھینکا تھا اور دم گھٹنے سے ۸۵ روزہ دار شہید ہوگئے تھے۔ ہانگ کانگ سے شائع ہونے والے اخبار "ساؤتھ چائنا مارننگ پوسٹ" نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ تھائی آرمی نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ بھوک پیاس سے مرجائیں گے بارہ سو روہنگیا مسلمانوں کو سمندر میں دھکیلا۔ نتیجے میں پانچ سو سے زیادہ افراد زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ روہنگیا بے چارے برمی اور تھائی فوجوں کے تشدد کا نشانہ ہی نہیں بن رہے، مظالم سے تنگ آکر بھاگتے ہیں تو شارک مچھلیوں کی خوراک بن جاتے ہیں یا پھر بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں یا گہرے پانیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔ جو بچتے ہیں ان میں کچھ انسانی تجارت کرنے والوں کے ہتھے چڑھ کر غلام بن جاتے ہیں۔ روہنگیا عورتیں اور بچے جسم فروش منڈیوں میں فروخت کردیئے جاتے ہیں۔ ظلم اور عالمی برادری کی بے حسی کی انتہا ہوچکی ہے۔ عالمی اداروں کو ان پر ہونے والے مظالم بند کروانے کیلئے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے، اسی میں انسانیت کی بھلائی اور امن کا راز پوشیدہ ہے۔

(ماہنامہ ضیائے آفاق، لاہور)

امریکی سینیٹروں کے اقدام کا جواب دیا جائیگا / علی لاریجانی

تہران۔ اسلامی جمہوریہ ایران کی پارلیمنٹ کے اسپیکر نے کہا ہے کہ ایران کو پٹرول کی فروخت پر پابندی سے متعلق کچھ امریکی سینیٹروں کا حالیہ بل امریکہ کے دوہرے اور احمقانہ رویے کا تسلسل ہے اور ان کو تہران کے جواب کا منتظر رہنا چاہئے۔ ڈاکٹر علی لاریجانی نے بوسنیا وہرزیگووینا کی پارلیمنٹ کے اسپیکر سے ملاقات کے بعد ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں اس بل کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ یہ امریکہ کا کوئی نیا موقف نہیں ہے اور امریکیوں کی سفارت کاری کی ایک مشکل یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوہرا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے اسپیکر علی لاریجانی نے مزید کہا کہ ایسا موقف عدم اعتماد کا باعث بنتا ہے اور یہ ایسے عالم میں ہے کہ جب وہ تبدیلی کا نعرہ لگارہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایران کے ساتھ مذاکرات کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ایران کے خلاف پابندیوں کا اقدام کرتے ہیں۔

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
● برنشڈ بف کاف ● فیشن اسیبل لیدرز ● اکل پل اپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نو بک
● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپا ● شوانیڈ بوٹ اپرز
SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

ایم اے ایف اکیڈمی
اے ۴۳ سیکٹر ۶۲، نوئیڈا
فاؤنڈر: محمد ابوالفضل فاروقی
نرسری تا XI داخلے جاری
★ سی بی ایس ای سے منظور شدہ ★ سی بی ایس ای کورس
★ اعلیٰ تربیت یافتہ اسٹاف ★ بچے کی پروگریس پر ہر وقت نظر
★ ہر طالب علم پر خصوصی توجہ ★ سیکشن میں صرف ۲۵ طلباء
★ ابتداء سے کمپیوٹر کی تعلیم ★ ہر وقت بجلی کے لئے جنریٹر موجود
★ ضروری سامان سے آراستہ سائنس لیب
★ کمرہ روشن، ہوادار، تپش سے محفوظ ★ ۲۴ ہزار مربع گز کا وسیع رقبہ
★ صد فیصد نتائج ★ سیٹیں محدود ★ داخلہ فارم ویب سائٹ پر دستیاب
★ داخلے کیلئے بچے کا ہونہار ہونا کافی ★ ٹرانسپورٹ کے لئے محفوظ اور آرام دہ بسیں
★ ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور جدید ترین سہولتوں سے آراستہ نہایت خوشنما عمارت
صد فیصد رزلٹ کے ساتھ سبھی طالب علم فرسٹ ڈویژن ڈسٹنکشن (Distinction) کے ساتھ پاس ہوئے ہیں۔
اعلیٰ ترین سہولتوں کے باوجود فیس کفایتی
Phone: (0120) 2400522, 6545202
Fax:(0120)2400510
e-mail: info@mafacademy.com
Website: www.mafacademy.com

قادری دواخانہ کی کامیاب ترین یونانی دوائیں

گٹھیا کے درد میں؟
DIAL
033-2469-3173
033-2489-3539

کسی بھی قسم کے درد چوٹ موچ گٹھیا۔ جلنے کٹنے اور بچوں کی مالش میں بہت ہی مفید ہے۔
زعفرانی تیل ®
گیسٹک کے درد میں
قبض ٹروجن
بدہضمی، بھوک کی کمی، درد جگر، قبض، سینے کی جلن اور پیٹ کے جملہ امراض میں بہت ہی مفید ہے

Qadri Dawakhana
B-18, NAWAB WAJID ALI SHAH ROAD, KOLKATA - 24,
DISTRIBUTORS:
DARYA BADI DAWAKHANA 393, E. R. Road, Pydhonie, Mumbai - 400 003 Ph: 022-2341-1957.
RELAX ENTERPRISES 3416, Bahishti Wada, No.1, Dhule, - 424 001 Ph: 02562-236952

اسلام کے معاشرتی نظام پر مولانا سید جلال الدین عمری کی
۵ اہم کتابیں

● عورت اسلامی معاشرے میں
عہد قدیم میں عورت کی حیثیت، یونان، روم، عرب اور یورپ وغیرہ میں عورت کا مقام، تہذیب میں عورت کی قدر وقیمت اور عورت کے متعلق اسلام کے نظریے کی تشریح اور اسلامی معاشرے میں عورت کی سیاسی، تمدنی، تہذیبی اور معاشرتی حیثیت کا تعین۔ سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۳۳۲ قیمت: Rs.70/=

● عورت اور اسلام
قرآن، حدیث، فقہ اور آثار کی روشنی میں اسلام میں عورت کے مقام ومرتبہ کی واضح تعیین، اسلام کی طرف سے عورتوں کو دیے گئے انعامات کی نشان دہی۔ اور معاشرت ومعیشت کی اصلاح اور دعوت وتبلیغ کے فریضے کی انجام دہی میں اس کا نمایاں کردار۔ سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۸۰ قیمت: Rs.25/=

● مسلمان خواتین کی ذمے داریاں
مسلمان عورتوں کی سماجی، معاشرتی اور دعوتی ذمے داریوں کو واضح کرتے ہوئے راہ حق میں ان کی استقامت اور داعیانہ صفات کو اجاگر کرنے والی ایک عالمانہ کتاب۔
سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۶۰ قیمت: Rs.15/=

● مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ
اس کتاب میں فاضل مصنف نے جامع انداز میں ان حقوق پر گفتگو کی ہے، جو اسلام نے عورت کو عطا کیے ہیں۔ اور ان اعتراضات کا جائزہ بھی لیا ہے، جو خواتین اور اسلام سے متعلق آئے دن سامنے آتے رہے ہیں۔ سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۲۴۰ قیمت: Rs.80/=

● اسلام کا عائلی نظام
خاندان کی تعریف، اس کی اہمیت، اسلامی خاندان کے خط وخال، خاندانی نظام کی دینی حیثیت، ازدواجی تعلقات میں میاں بیوی کے حقوق وفرائض، چار نکاحوں کی شرطیں، دور حاضر میں مسلم خواتین کے مسائل، عورت اور اس کی معیشت، مرد کی قوامیت، مساجد میں خواتین کی حاضری اور دوسرے بہت سے فقہی ومعاشرتی مسائل سے متعلق اطمینان بخش بحث۔ سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۱۹۲ قیمت: Rs.65/=

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652, 26946447(D) Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com. Website: www.